نیو وکی لائبریری اینڈ فریمنگ پوائنٹ
ساؤنڈ سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے
نئے اور پرانے ڈائجسٹوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے
دوکان نمبر 13 صدر

مکمل ناول

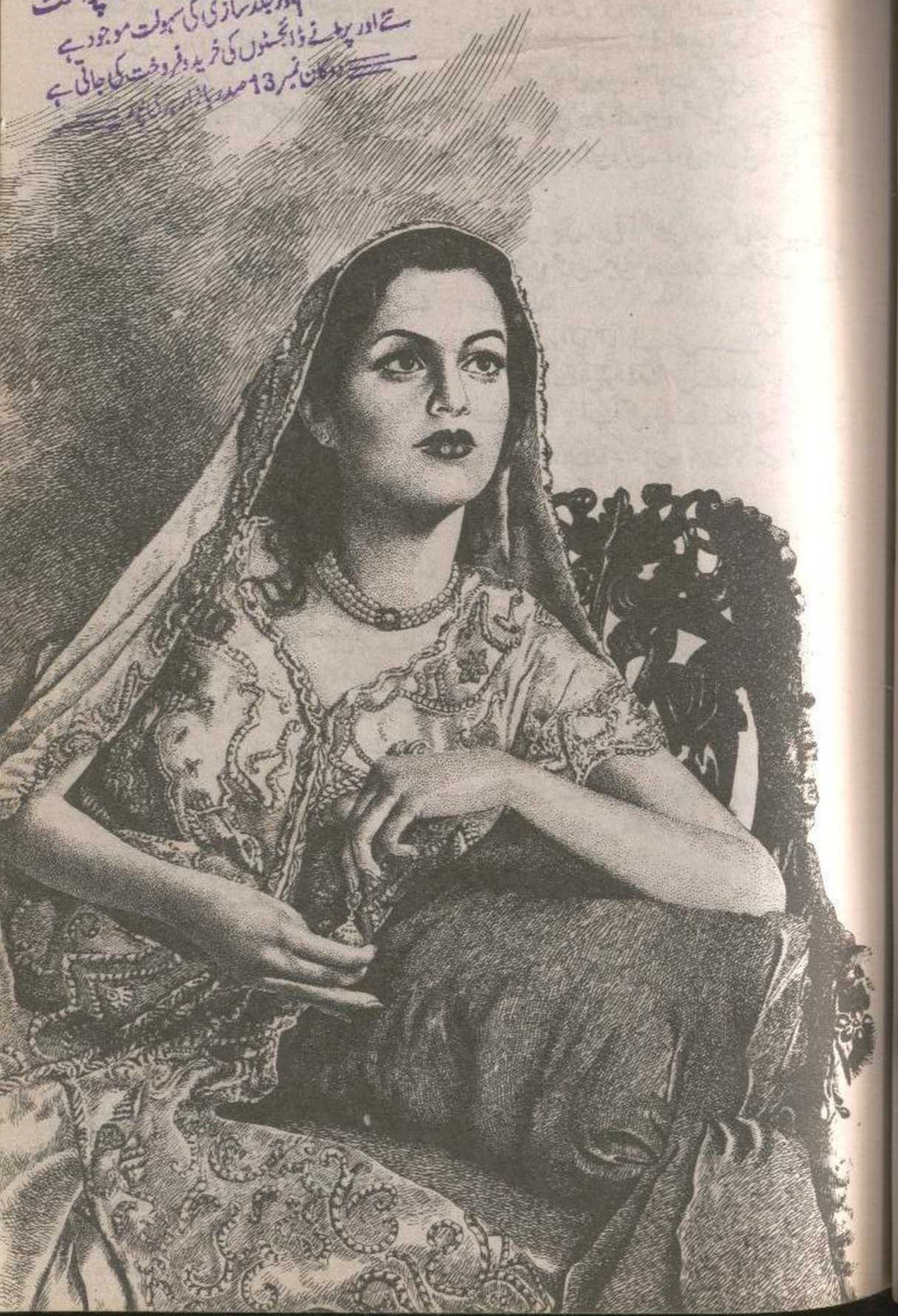

گلاب رستے بدل لیتے ہیں

راحت جبین

آدھی رات کو وہ گھر لوٹا تھا۔

سارے ہنگامے دم توڑ چکے تھے۔ تھکی ہاری لڑکیاں ادھر ادھر لڑھک گئی تھیں۔ دادی، دادا اور آپا کے کمرے کی لائٹیں بند تھیں اور یہ اس کے لیے بہتر ہی تھا۔ لاؤنج میں گیندے اور گلاب کے پھولوں کی پتیاں ادھر ادھر بکھری تھیں۔ شاید مایوں کی تقریب لاؤنج میں ہی ہوئی تھی۔

جو یہ سب لائبہ مراد کے حوالے سے ہوتا تو کس قدر کیف آگیں اور سرور انگیز ہوتا۔

اس نے بکھری پتیاں ہتھیلی پر سمیٹ کر سوچا۔

اک ہاری ہوئی سوچ نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور لائبہ مراد کو کھو دینے کا احساس اذیت بن کر رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اس نے پتیاں مسل کر پھینک دیں اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

تب ہی کچن کی طرف سے وہ نکلی تھی۔ سبز چوڑی دار پائجامہ، پیلا کرتا دوپٹہ جس پر چمپا کلی لگی تھی۔ ننگے پاؤں، دوپٹہ لاپروائی سے بازوؤں کے گرد لپٹا تھا۔ کھلے بال بے ترتیب، سوئی جاگی آنکھوں کے ساتھ وہ بالکل گڑیا سی لگ رہی تھی۔ ارمغان کو دیکھ کر ٹھٹھکی۔ جبکہ ارمغان نے گویا اسے دیکھا ہی نہ تھا۔ اس نے بڑی ہمت سے اسے پکارا تھا۔

"آج آپ بہت دیر سے آئے مان بھا۔" اگلا لفظ اس نے ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کر روکا تھا۔

"تو پھر؟" وہ رکا تھا۔ پلٹا نہیں۔ سرد و سپاٹ لہجہ حد درجے بیگانگی لیے ہوئے تھا۔ یہی تو تھی اس کے سارے خوابوں کو مسمار کرنے والی، معصوم صورت محبت کے قاتل کا اگر کوئی نام تھا تو یہی تھا۔"

"نہیں، روز آپ جلدی آجاتے ہیں نا اس لیے ......"

"تم سے کس نے کہا ہے کہ میرے آنے جانے کا ٹائم ٹیبل سنبھال رکھو۔" وہ ایک دم پلٹ کر خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ سوئی جاگی آنکھیں پوری طرح بیدار ہوئیں۔ ان میں تحیر کے ساتھ خفیف سا خوف جاگا۔

"سنو! ہنی ڈیر۔" اس کا لہجہ گہرے طنز کا آئینہ دار تھا۔ ایک ایک سیڑھی اترتا اس کے قریب آیا۔

"ج۔۔۔ج۔۔۔" وہ دیوار سے جا لگی۔

"چار دن رہ گئے ہیں نا۔" دیوار پر ہاتھ رکھ کر اس پر جھکتے ہوئے وہ سنگین و ناقابل فہم انداز میں بولا تھا۔ ہنی نے بدقت اثبات میں گردن ہلائی۔ بڑی بڑی ہراساں آنکھوں میں کاجل پھیلا پھیلا سا تھا۔

"پھر دیکھنا میں تمہارا حشر کیا کرتا ہوں۔" سنگین و کٹھور لہجے میں کہہ کر وہ پلٹا اور دو دو سیڑھیاں چڑھ گیا۔ وہ دم بخود کھڑی تھی اور دوسرے پل اس نے وہیں بیٹھ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

آپا کسی کام سے نکلی تھیں۔ اسے قالین پر گھٹنوں میں چہرہ دیے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا تو لپک کر قریب آئیں۔

"ہنی۔۔۔ ہنی ڈیر کیا ہوا؟" انہوں نے زبردستی اس کا سر اونچا کیا۔ اس نے باقی کسر آپا کے کندھے پر سر رکھ کر نکال دی۔ وہ بری طرح گھبرا گئیں۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی بھی کمرے کوئی بھی آ سکتا تھا۔ ہونے والی دلہن کے رونے کا کیا جواز پیش کرتیں وہ کہ اسے تو رخصت ہو کر بھی کہیں نہیں جانا تھا۔

"ہنی میری جان! بتاؤ نا' کسی نے کچھ کہا۔" انہوں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ جواباً" زور و شور سے اثبات میں سر ہلا تھا۔

"کس نے کہا' مجھے بتاؤ۔" انہوں نے پیار سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"وہی آپ کے لاڈلے بھائی نے' ابو الصول نہ ہوں تو۔۔۔"

"ہیں۔" آپا سٹپٹائیں "کیا مان گھر آگیا ہے۔" انہوں نے سر اٹھا کر کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔

"ہاں آگئے ہیں چنگیز خان کے جانشیں' مرچیں چباتے ہوئے۔" آنسوؤں کی روانی میں تھوڑی کمی واقع ہوئی تھی۔ مایوں کے دوپٹے کے ساتھ ناک رگڑ رہی تھی۔

"بری بات حنا! وہ تمہارا ہونے والا شوہر ہے۔"

بمشکل مسکراہٹ دبا کر انہوں نے سرزنش کی۔

"ہاں تو میں بھی تو ان کا ہونے والا شوہر۔۔۔ م۔۔۔ میرا مطلب ہے ہونے والا بیوی ہوں۔"

"ہونے والی بیوی۔" آپا نے تصحیح کی۔

"ہاں وہی' وہ تو مجھے یوں دھمکیاں دیتے ہیں کہ کیا کسی پنجابی فلم میں ولن نے دی ہوں گی۔ آپا! میرا کیا بنے گا۔"

سوجی سوجی سرخ آنکھیں اب بھی لبالب پانیوں سے بھری تھیں۔ نین کٹورے پھر سے چھلک جانے کو بے تاب۔

"افوہ! ہوا کیا؟ کیا کہا ہے اس نے۔۔۔؟"

"آپ نے ہی تو کہا تھا' اس سے بات کیا کرو۔ میں نے پوچھ لیا کہ آپ اتنی دیر سے آئے ہیں۔ آگے سے بولے۔ چار دن رہ گئے ہیں۔ پھر دیکھنا' میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں۔"

"ہیں یہ کہا ارمغان نے؟" مارے حیرت کے آپا کی آنکھیں پھیلیں۔

"تو اور کیا میں نے جھوٹ بولا ہے آپا۔۔۔" ایک دم ان کا ہاتھ دبوچ کر وہ خوفزدگی کے عالم میں بولی۔

"کہیں وہ مجھے مار ہی نہ ڈالیں۔"

"افوہ! کیسی باتیں کر رہی ہو' فضول میں' ایسا کس طرح کر سکتا ہے وہ۔" آپا نے جھنجلا کر کہا۔

"اگر بھی سکتے ہیں' آپ تو چلی جائیں گی۔ پیچھے سے وہ مجھے زہر دے دیں یا گلا گھونٹ کر لان میں دبا دیں۔ آپ کو کیا پتا چلے گا۔"

"ارے کیا فضول بولتی رہتی ہو۔ انگریزی فلمیں دیکھ دیکھ کر دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔"

"میرا نہیں ان کا ہوا ہے۔" وہ ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اچھا اب خاموشی سے اپنے کمرے میں جاؤ۔ کوئی مہمان اٹھ گیا تو خوامخواہ وضاحتیں دینی پڑیں گی۔" انہوں نے بہلا پھسلا کر اسے بھیجا۔ پھر تشنگی ہوئی اوپر پہنچیں وہ تکیے میں سر دیے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے ارمغان یہ۔" انہوں نے تکیہ کھینچا۔

"کون سی بدتمیزی' تکیہ ہے یہ۔"

"ایک تو آدھی رات کو گھر لوٹے ہو اور آتے ہی ہنی سے الجھ پڑے۔ کیا کہا ہے اسے تم نے۔"

"کچھ نہیں۔" اس نے دوسرا تکیہ اٹھا کر سر پر رکھا اور اوندھا لیٹ گیا۔

"تو پھر وہ رو کیوں رہی ہے؟"

"اپنی چہیتی سے پوچھیں' وہ رو رہی ہے میں تو نہیں اور پلیز آپا! میں اس وقت تھکا ہوا ہوں۔" ان سے پورے چھ برس چھوٹا تھا۔ مگر ان دنوں ٹھیک ٹھاک بدلحاظ ہو گیا تھا۔

"جاتے ہوئے لائٹ بند کر دیجیے گا۔"

"تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔" آپا نے کہا۔ اس نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ مایوس ہو کر پلٹ گئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

یہ دل اس کی محبت سے جدا ہو کر
دھڑکنا سیکھ جائے تو
نجانے کتنے جگنو مٹھیوں میں جگمگا اٹھیں
اندھیرے دور ہو جائیں
تمہاری راہ سے بھٹکیں تو منزل پر پہنچ جائیں

وہ کب سے انگلیوں میں پنسل گھماتے ہوئے یہ نظم بار بار دہرا رہا تھا۔ لائبہ مراد کے قدم دروازے میں ہی تھم گئے۔ ارمغان کے مدھم و مایوس لہجے میں ٹوٹتی آس کی کرچیاں اس کے دل میں پیوست ہوتی جاتی تھیں۔

تمہاری راہ سے بھٹکیں تو منزل پر پہنچ جائیں۔

اس نے ایک بار پھر گویا اس مصرعے پر غور کیا۔

تمہاری راہ سے بھٹکیں اور جو ہر راہ اس کی راہ ہو تو۔" اس نے سر جھٹک کر گویا خود کو کسی خیال کے سحر سے آزاد کرانے کی سعی کی۔

"بھٹکیں تو کس طرح بھٹکیں۔"

سامنے کے دروازے سے اندر آتے وسیم کی نگاہ دروازے میں ایستادہ لائبہ پر پڑی اس کی نگاہ غیر محسوس طور پر ارمغان تک گئی۔ جو اب بھی اسی مصرعے کی گردان کرتے ہوئے گویا کوئی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہاری راہ سے۔۔۔"

"آجائیں مس لائبہ مراد! آپ کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

وسیم کی آواز پر وہ دونوں ہی ہوش میں آئے لائبہ نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ ارمغان کے مصرعے کی تکرار ختم ہوئی۔ مگر انگلی میں پنسل یونہی گھومتی رہی۔

"وعلیکم السلام۔" وسیم نے گویا اسے جتایا تھا' وہ چونکی پھر جھل سی ہو گئی۔ جبکہ ارمغان نے اپنے سامنے بکھری تصویروں پر نظریں جما دی تھیں۔

"ڈونٹ بی سلی لائبہ۔" اس نے خود کو ڈانٹا۔ پھر مسکراتی نگاہوں سے سب کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں کو چھونے والی مسکراہٹ خود ساختہ تھی۔

"یہ تم لوگ اتنے خاموش کیوں ہو؟"

"ہم آپ کے سلام کے منتظر ہیں۔" ساجد نے پوری سنجیدگی سے کہا تو اس نے ہنستے ہوئے سلام کیا' سب نے کورس میں جواب دیا تھا۔ ماسوائے ارمغان کے وہ اسے یکسر نظر انداز کیے اپنے کام میں منہمک تھا۔

"آج آپ مضمون لائی ہیں یا نہیں۔ مجھے رائٹ ٹائم پر میگزین مارکیٹ میں لانا ہوتا ہے۔"

لائبہ نے چپ چاپ ہاتھ میں رول کیے پیپرز اسے تھما دیے۔ پھر ارمغان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم آج بھی آفس آئے ہو؟" اس کے لہجے میں گزری رات کی پرچھائیاں تک نہیں تھیں۔ گویا اسے یاد ہی نہ تھا کہ بیتی رات کو سنانے میں وہ کسی کے کندھے پر سر رکھ کر روئی تھی۔ وہاں اس جگہ پر اب بھی اس کے آنسوؤں کی نمی منجمد تھی۔ کسی کی سماعتوں میں اس کی سسکیاں ہمیشہ کے لیے مکین ہو گئی تھیں۔ ارمغان نے ذرا کی ذرا اس کے بظاہر مطمئن انداز کو دیکھا۔ پھر تلخ سے لہجے میں بولا۔

"آج کوئی خاص بات تھی۔؟"

"شادی اتنا غیر اہم واقعہ تو نہیں ہے۔" اس نے اپنا بیگ اور ہاتھ میں پکڑی دوسری چیزیں ٹیبل پر ڈھیر کیں "آج۔۔۔"

"میرے نزدیک گزرا ہوا کل زیادہ معتبر ہے۔" اس کا جتاتا ہوا انداز لائبہ چپ سی ہو گئی۔

"ماضی میں زندہ رہنے والے حال کھو دیتے ہیں۔"

"تم حال کی بات کر رہی ہو۔ میں تو اپنا ماضی بھی کھو بیٹھا۔" اس کا لہجہ شکستہ ہو گیا۔

"کیا تم لوگ جواں ادب کے لیے نیا اضافہ تخلیق کر رہے ہو۔" عالیہ نے طنز آمیز استعجاب سے پوچھا۔

"شادی والے گھر میں ڈھیروں کام ہوتے ہیں اور کچھ نہیں تو ایک چکر تم بھی پارلر کا لگا آتے۔ کم از کم یہ جو چہرے پر بارہ بجے ہیں۔ اس کا وقت کچھ آگے پیچھے ہی ہو جاتا۔" وہ نارمل سے بشاش لہجے میں بولی تھی۔

"شادی! کس کی شادی؟" وہ سب کے سب چونکے تھے۔

"ارمغان نے تم لوگوں کو نہیں بتایا۔" اس کی کانچ سی آنکھوں میں خود ساختہ تحیر جاگا۔ "کل اس کی شادی ہے۔"

اس نے کتنے آرام سے کہہ دیا۔ ارمغان جز بز ہو گیا۔

"ہیں ارمغان۔" وہ سب کے سب متحیر سے اس کی طرف پلٹے۔

"تم لوگ ہی کیا۔ اس نے تو مجھے بھی انوائیٹ نہیں کیا۔ حالانکہ کتنی پرانی دوستی ہے ہماری۔"

ارمغان نے چونک کر بہت دھیان سے اس کا چہرہ کھوجا تھا۔ وہ مگن سی فائل میں پیپر ترتیب دے رہی تھی۔ محض دوستانہ سا شکوہ تھا اس کے لبوں پر اور بس کوئی دکھ کی پرچھائیں کوئی کھو دینے کا احساس۔

شکوہ کناں نگاہوں کی چبھن لائبہ نے اپنے چہرے پر محسوس کی۔ تب ہی اس نے سر اٹھا کر فہمائشی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ سنبھل کر سیدھا ہوا۔

"تم نے بتایا بھی نہیں ارمغان۔" وسیم نے بہت سنبھل کر سوال کیا تھا۔ جبکہ اس کی نگاہیں بظاہر انجان ولاپرواسی لائبہ پر ایک لمحے کو ٹھہری تھیں۔

"بہت اچانک اور سادگی سے ہو رہا ہے یہ سب۔ میرا خیال تھا کہ میں بعد میں ٹریٹ دے کر سرپرائز دوں گا۔" وہ قصداً" مسکرایا۔

"ٹریٹ تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔ ہم تو دعوت لیں گے۔" عالیہ برجستہ بولی۔ وہ ہنس دیا۔

"جو حکم جناب۔" اب وہ خوش دلی سے ان کے شوخ جملوں کے وار سہہ رہا تھا۔ لائبہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اس ماحول سے دانستہ کٹ گئی تھی۔

سارا دن وہ خود کو قصداً" مصروف رکھے رہی تھی اور پھر وقت سے پہلے ہی اٹھ گئی۔ ارمغان کو وسیم نے روک لیا۔

"اکٹھے نکلتے ہیں۔"

وہ جانتا تھا۔ وسیم نے اسے کیوں روکا ہے۔ تب ہی خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگا۔ بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے وسیم نے پوچھا۔

"یہ شادی تمہاری پسند سے ہو رہی ہے؟"

"ہاں کیوں؟" اس کا لہجہ نارمل تھا۔

"مگر میں تو سمجھتا تھا تم۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کیا؟"

"میرا خیال تھا تم لائبہ سے۔ یونیورسٹی سے ایک دوسرے کے ساتھ ہو۔ دوستی بھی خوب تھی۔ اتنے عرصے میں محبت ہو ہی جاتی ہے۔"

"ضروری نہیں وی آر جسٹ فرینڈز۔"

اک غبار سا تھا جس نے دل کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ بائیک اسٹارٹ کرکے ہوا ہو گیا۔ بس اسٹاپ پر اسے لائبہ نظر آئی تو غیر ارادی طور پر وہ رک گیا۔

"میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔"

بیگ کے اسٹرپ سے کھیلتی لائبہ نے جھکا سر اٹھایا۔

"تمہیں گھر جانا چاہیے۔"

"میں نے مشورہ نہیں مانگا۔" وہ بری طرح بگڑا۔

اس نے بھاگتی دوڑتی ٹریفک پر نظریں جما دیں زرد رو شام کے رنگ اس کے چہرے پر اتر آئے۔

"نہ راستے ایک ہیں نہ منزل تو۔۔۔"

"اور وہ جو سلسلے تھا۔۔۔"

"محض دھوکا دے رہے تھے خود کو۔۔۔"

کتنے آرام سے بولی تھی وہ ارمغان کا دماغ چپ گیا۔ اس نے بائیک کو کک لگائی اور ہجوم بیکراں میں گم ہو گیا۔ اس کا رخ یقیناً" گھر کی طرف نہیں تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

حسب معمول وہ آدھی رات کے بعد گھر میں گھسا تھا۔ خیال یہی تھا کہ مہندی کا ہنگامہ دم توڑ چکا ہو گا۔ مگر یہ محض اس کی خام خیالی تھی۔ لان میں ہنگامہ بدستور جاری تھا۔ بھیگی بھیگی خوشبو دار رات میں ڈھولک پر پڑتی تھاپ بڑی خوشگوار و گدگداتی ہوئی لگتی مگر دل و دماغ قابو میں ہوتے۔ ان سب کے درمیان وہ بھی پھولوں سے سجی کرسی پر بیٹھی تھی۔ پیلے جوڑے میں ملبوس میک اپ سے مبرا شاداب و تر و تازہ چہرہ تازگی لیے ہوئے تھا۔ ذرا ذرا ہنستی تھوڑا تھوڑا جھینپتی۔ شرمائی ذرا سا ایک طرف کو جھکی آپا کی بات سن رہی تھی۔ آپا اس کے کان میں نجانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ ایک طرف دادو بھی بیٹھی تھیں۔ شاداں و فرحاں تالیاں بجا بجا کر لڑکیوں کو بک اپ کر رہی تھیں۔

ہنی آپا کی کسی بات پر بے ساختہ ہنسی تھی۔ ارمغان کا دل چاہا۔ اس کے مسکراتے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دے۔

"کاش میں تمہیں قتل کر سکتا۔"

مٹھیاں بھینچ کر اس نے خود پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی۔ پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کی نظروں سے بچتا لاؤنج میں آگیا۔ خیال تھا چپکے سے اپنے کمرے میں جا گھسے گا۔ مگر پہلی سیڑھی پر دادا جان کی آواز قدموں سے لپٹ گئی۔

"کہاں سے آرہے ہو دادا کی جان۔" چبھتا ہوا طنزیہ لہجہ۔

کاش دادا! آپ مجھ سے چھوٹے ہوتے تو میں بتاتا۔

موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے، موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اسی طرح چہرے پر مہاسے، کیل مھائیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔

خواتین کے ان تمام مسائل کا حل

نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

جوہر ہاضم

- موٹاپا ختم
- بڑھا ہوا پیٹ اندر
- داغ دھبے اور کیل مہاسے غائب
- گیس، معدے کی گرانی کا خاتمہ
- قیمت صرف /50 روپے

پتہ ذیل سے منگوائیں۔

شو ٹائم۔ A/2 بیت الفرقان بگ ریسٹورنٹ کے برابر مین یونیورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال۔ کراچی۔

وہ رکا ضرور مگر پلٹا نہیں۔ آخر اپنی ناراضی کا مکمل اظہار بھی تو کرنا تھا۔ یہ زبردستی کا ڈھول انہوں نے ہی تو اس کے گلے میں باندھا تھا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟" لہجہ سخت ہوا۔

"جہنم سے۔" وہ چپ چاپ ناخن سے گرل پر لکیریں کھینچتا رہا۔

"یہ کوئی وقت ہے گھر لوٹنے کا۔" اس کی خاموشی انہیں تاؤ دلا گئی۔

"شکر کریں گھوٹ آیا ہوں۔"

"تمہیں تو شاید یہ بھی یاد نہ تھا کہ آج تمہاری مہندی ہے۔"

"میری نہیں آپ کی اس چہیتی کی مہندی تھی۔" وہ کلس کر بدتمیزی سے بولا۔

"ارمغان۔" اندر آتی آپا نے تنبیہی انداز میں پکارا۔ "یہ کس طرح بات کررہے ہو؟"

"مجھے ایسے ہی بولنا آتا ہے۔" وہ دادا جان کا لاڈلا تھا۔ اب ان ہی سے بدتمیزی کررہا تھا۔

"ارمغان!" آپا نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

"رہنے دو اسماء! اب یہ اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ مجھے آنکھیں دکھا سکے۔" دادا جان دل گیر لہجے میں بولے تھے۔ ایک لمحے کو وہ ندامت میں گھر گیا۔

"میرا قصور بس اتنا ہی تو ہے کہ اپنی یتیم نواسی کو مناسب ٹھکانا دینے کے لیے۔۔۔"

"جی ہاں، اپنی اس یتیم نواسی کا بہت خیال تھا نا آپ کو، اس یتیم پوتے سے کوئی محبت نہ تھی آپ کو جو قربانی کا بکرا بنا کر اپنی اس یتیم و مسکین نواسی کو۔۔۔" غصے میں اس کی آواز خاصی اونچی ہو گئی تھی۔ اماں جی اپنے کمرے سے افتاں و خیزاں برآمد ہوئیں۔

"اے ہے کیا ہو گیا بیٹا۔۔۔؟"

بیٹے صاحب دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھتے اور غائب ہو گئے۔ جانتے تھے اب سب مل کر انہیں گھیر لیں گے اور وہ کچھ بھی نہ بول پائیں گے۔

"دیکھا، دیکھا تم نے اسماء! کیا سلوک کرنے لگا ہے یہ ہمارے ساتھ، کیا برا کیا ہے ہم نے اتنی اچھی لڑکی ہے حنا، کم عمر، خوب صورت، پڑھی لکھی، جس طرح چاہے اپنے رنگ میں ڈھال لے۔ مگر یہ تو بے تحاشا بیل کی طرح ہاتھ ہی نہیں آتا۔" اماں جی متفکر سی کہہ رہی تھیں۔ اسماء شرمندہ سی ہو گئی۔

"کل شادی ہے۔ حنا کے دو ددھیال والے بھی آئیں گے۔ اس کے یہی تیور رہے تو کیا سوچیں گے وہ لوگ۔"

"ماں جی! آپ فکر مت کریں۔ میں سمجھاتی ہوں اسے۔"

"اچھی طرح سمجھا دینا۔ کل اس نے کوئی گڑبڑ کی۔ تو بھری بارات میں گولی مار دوں گا۔" بابا جان طیش میں آکر بولے۔

"آپ کو زحمت نہیں دوں گا۔ یہ مبارک کام میں خود ہی کرلوں گا۔ آپ اپنی یتیم نواسی کی خیر منائیں۔" وہ اوپر سے برآمد ہوا اور پھر غائب۔

"یا الٰہی خیر۔" اماں جی دل تھام کر رہ گئیں۔

"میں دیکھتی ہوں، کہیں کچھ کرہی نہ بیٹھے۔" وہ اوپر جانے کو لپکیں۔ اکلوتے پوتے میں تو ان کی جان تھی۔

"رہنے دیں۔ آپ ہی کے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے جو یوں آنکھیں دکھا رہا ہے۔" بابا جان خفگی سے بولے۔

"اے لو میں نے کون سے انوکھے لاڈ اٹھا لیے تھے۔ سات سال تک تو آپ کے کندھے پر جھولا کرتا تھا۔" اماں جی تنک کر بولیں۔

"بارہ سال تک اس کے منہ میں نوالے میں دیا کرتا تھا۔"

ان دونوں کی آپس میں بحث شروع ہو گئی تھی۔ اسماء طویل سانس لے کر اوپر آگئیں۔ جانتی تھیں وہ دونوں ہی ارمغان کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے۔ ارمغان فون پر کسی کے نمبر ڈائل کررہا تھا۔ انہیں دیکھ کر ریسیور رکھ دیا۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے تھی ارمغان! اس طرح بات کرتے۔۔۔"

"مجھے شرم کیسے آئے گی۔ ہمارے بڑوں کو تو آئی

نہیں۔" وہ بدلحاظی سے کہتا آخری جملہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا تولیہ اٹھا کر واش روم میں جا گھسا۔ وہ سر پکڑ کر اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ خیال یہی تھا کہ باہر آئے گا تو تفصیلی بات کریں گی۔ مگر وہ باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ آخر تنگ آکر انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"اے ارمغان! سو گئے ہو کیا؟"

"جی ہاں سو گیا ہوں۔ آپ بھی جا کر زحمت کریں سونے کی۔" وہ حد درجے تلخی سے بولا تھا۔ وہ کچھ لمحے یونہی بند دروازے کو گھورتی رہیں۔ پھر پلٹیں تو نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے کارڈز پر پڑی۔ انہوں نے اٹھا کر دیکھا۔ وہ اتنے ہی تھے جتنے انہوں نے ایک ہفتہ قبل اسے دیے تھے کہ وہ اپنے دوستوں کو انوائیٹ کرلے۔ ان کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"کہیں سچ مچ ارمغان کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہو رہی۔"

وہ یہی سوچتی ہوئی نیچے چلی گئی تھیں۔ بہت دیر بعد ان کے جانے کا یقین کرکے وہ باہر نکلا۔

"ہونہہ۔" اس نے تولیہ کھینچ کر ڈریسنگ ٹیبل پر دے مارا تھا۔ مارے غصے کے اس کے دل و دماغ کھول رہے تھے۔

"میری کسی کو پروا نہیں ہے۔ مروں یا جیوں اور وہ مہارانی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے یہاں آئے ہوئے اور سب کے دل و دماغ پر چھا گئی ہیں۔ مگر کب تک؟ مجھے برباد کرنے والی کب تک سکھ کا سانس لے گی۔ ایک بار میری دسترس میں آئے تو سہی وہ حشر کروں گا کہ شادی کا مطلب بھول جائے گی۔"

ہتھیلی پر مکا جماتے ہوئے وہ ادھر سے ادھر چکرا رہا تھا۔

غصہ، جوش انتقام لائبہ کو کھو دینے کا دکھ اسے کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا تھا۔

"اور وہ لائبہ۔" وہ سر تھام کر بیڈ پر جا گرا۔

"کتنی آسانی سے راستہ بدل گئی۔ یوں جیسے میرے اور اس کے درمیان کبھی کوئی تعلق، کوئی ناتا تھا ہی نہیں۔ اگر وہ ساتھ دیتی تو کیا میں اتنی آسانی سے ہار مان لیتا۔"

وہ کھولتے دل و دماغ کے ساتھ سوچتا رہا اور رات ڈھلتی رہی، نیند پلکوں پر مہمان نہ ہوتی تھی اور دماغ سلگتا تھا۔

تب ہی دروازے کے باہر چنچل آوازیں ابھریں۔

"اب کوئی آنہ جائے۔" اس نے کوفت سے سوچا اور دم سادھ کر لیٹ گیا۔ کسی سے سامنا کرنے کی ہمت تھی نہ آرزو۔

"بھئی، ہمارا تو رت جگے کا پروگرام ہے۔"

"رات کا ایک بج رہا ہے اور کتنا جاگنا ہے۔" اسی یتیم و مسکین نواسی کی جھنجلائی تھکی ہوئی آواز ابھری۔ ارمغان نے غصے میں کروٹ بدلی۔

"تو تمہیں کیا فکر ہے۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔ صبح کون سا بارات جانی ہے۔ تمہیں ایک چکر کو ننھی کا لگوا دیں گے۔"

ارمغان کی کزن کومل کی آواز تھی۔

"ہاں بھئی، لگی ہے بہنی۔" دوسری نے کہا۔

"اچھا اب سو جاؤ تھوڑی دیر۔" کومل نے کہا تو وہ جھنجلا کر بولی۔

"سوؤں گی کیسے، یہ اتنی ڈھیر ساری مہندی جو تھوپ دی ہے۔"

"بس ابھی سوکھ جائے گی۔ پھر بے فکر ہو کر سو جانا۔"

وہ لوگ شاید اسے آرام کے خیال سے اوپر والے کمرے میں چھوڑنے آئی تھیں، کچھ ہی دیر میں خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ کچھ لمحے یونہی لب بھینچے لیٹا رہا۔ پھر ایک خیال سرعت سے اس کے اندر جاگا تھا۔ بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر اس نے دروازہ کھولا۔ گھر میں خاموشی تھی۔ جبکہ باہر لان میں اب بھی ڈھولک پٹی جارہی تھی۔

اس نے دھیرے سے ساتھ والے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ ذرا سا جھکی پاؤں کی سائیڈ پر بنی

مہندی کی بیل ٹھیک کر رہی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے آنے والے کو دیکھا۔ پھر سراسیمگی میں کھڑی ہو گئی۔

"آ۔۔۔ آپ!" وہ یونہی دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اسے گھورے گیا۔

"ک۔۔۔ کیا ہوا؟" وہ ہکلائی۔

"سنو۔" وہ سنگین و سنجیدہ لہجے میں کہتا اس کے قریب آیا۔ "تمہارے پاس بس آج کی رات ہے۔"

"ک۔۔۔ کیا مطلب۔" حنا کی ٹانگیں ایک دم بے جان ہوئی تھیں۔ دھم سے بیڈ پر بیٹھ کر ہراساں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرا کچھ نہیں جائے گا حنا بی بی! تمہاری زندگی عذاب ہو جائے گی۔ میں تمہیں کبھی کوئی خوشی نہیں دے پاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم آج اور ابھی انکار کر دو۔" اس کے حد درجے سنجیدہ و گھمبیر لہجے پر حنا نے بمشکل تھوک نگلا تھا۔

"مم۔۔۔ میں۔"

"ہاں تم۔"

"مم۔۔۔ میں نے انکار کیا تھا۔"

"کب۔" وہ بری طرح چونکا۔ گویا لڑکی اتنی بھی معصوم نہیں۔ جتنا وہ سمجھا تھا۔

"بابا جان کہنے لگے۔ اس کو یونہی بولنے دو۔ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ارمغان تو یونہی بکواس۔۔۔" مہندی لگا ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر اس نے ایک دم بات روکی۔ پھر سہمی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بکواس' میں بکواس کرتا ہوں۔" ارمغان کی نگاہیں ایک دم لہو رنگ ہوئی تھیں۔

"میں نے تو۔۔۔"

"بس ٹھیک ہے کل آنے دو۔ پھر پتا چلے گا سب کو کہ میں بکواس کرتا تھا یا نہیں اور تم۔۔۔ تمہیں بھی مزا آجائے گا۔ بہت شوق ہے نا شادی کا۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ سے شادی کا۔ آپ کو جو کہنا ہے' بابا جان سے کہیں۔ مجھے کیوں تنگ کر رہے ہیں۔" وہ ایک دم رو دی تھی۔

"چپ۔" وہ زور سے دھاڑا۔ پھر اسی طرح دھاڑ سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے اسے لگا' اس نے آپ اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال لیا ہے۔ وہ اس کے پہلو میں بیٹھی حنا آپا کے گلے لگی دھواں دھار رو رہی تھی۔ اس نے بڑی کوفت سے اسے دیکھا۔ آپا بہلا پھسلا کر اسے چپ کروانے میں بمشکل کامیاب ہوئی تھیں۔ مودی کیمو آن تھا۔ حنا کے دو حیال والے بھی آئے تھے۔ دانیال نے بڑے غور سے ارمغان کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی رمق تک نہ جاگی تھی۔ یونہی خفا سا بیٹھا تھا۔ انہوں نے ادھر ادھر مہمانوں کو ڈیل کرتی آپا کو جا کر پکڑا۔

"یہ ارمغان اس شادی سے خوش نہیں تھا کیا؟"

"نن' نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔" میاں کی بات سن کر وہ سٹپٹا کر رہ گئیں۔ "آپ سے کس نے کہا؟"

"مجھ سے کون کہے گا۔ ارمغان کا چہرہ کھلی کتاب کی مانند ہے۔"

آپا نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ یوں بیٹھا تھا جیسے ابھی بھاگ جائے گا۔ چہرے سے کوفت' بیزاری' جھنجھلاہٹ مترشح تھی۔

"وہ بس اتنی جلدی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا' ورنہ حنا پر تو اسے کوئی اعتراض نہ تھا۔" انہوں نے بمشکل شوہر کو مطمئن کیا۔ مگر دبی دبی زبان میں یہی بات کئی لوگوں نے بابا جان اور ماں جی سے کہی تو وہ پریشان ہو گئیں۔

"اے عائشہ! ذرا سمجھاؤ اسے جا کر۔ ایسے کیوں بیٹھا ہے۔ ناک کٹوائے گا ہماری۔" آپا تن فن کرتی اس کے برابر جا بیٹھیں۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔"

"نہیں خراب ہو گیا ہے۔" اس کے منہ کے زاویے کچھ اور بگڑ گئے تھے۔

"لگ تو یہی رہا ہے۔ اس طرح منہ بنائے کیوں بیٹھے ہو۔"

"زبردستی کی شادیوں میں یونہی منہ بنتے ہیں۔"

"آہستہ بولو۔ حنا سن لے گی۔"

"سن لے گیا۔ میں سب کچھ خود بتاؤں گا۔"

"حد ہوتی ہے ڈھٹائی کی۔ بابا جان کیا سوچیں گے۔"

"جو بھی سوچیں۔ میرے بارے میں سوچا تھا انہوں نے۔" وہ آگ کے ڈھیر پر بیٹھا پھنکار رہا تھا۔ آپا کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دو چھانپڑ رسید کر دیں۔ مگر اس کے حد درجہ بگڑے انداز دیکھ کر نرم و ملتجی لہجے میں بولیں۔

"دیکھو میرے پیارے بھائی! یہاں میرے سسرال والے بھی موجود ہیں۔ تمہارے بہنوئی بذات خود پوچھ چکے ہیں۔ میں واپس جا کر کس کس کو مطمئن کروں گی۔ بابا جان کا نہیں تو میرا ہی خیال کر لو۔"

اور ان کا خیال کر کے وہ یوں مسکرایا تھا جیسے گلے پر چھری رکھی ہو۔ انہیں غصہ تو بہت آیا مگر اسے ہی غنیمت سمجھ کر اٹھ گئیں۔ رسمیں ختم ہوئیں تو وہ گویا رسی تڑوا کر بھاگا تھا۔

بہت رات گئے آپا اسے ڈھونڈتے ہوئے اوپر آئیں تو وہ ایک خالی کمرے میں بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔

"یہ کیا مانی! تم نے سگریٹ پینا شروع کر دی۔" ان کے حد درجہ متاسف لہجے پر اس نے چپ چاپ سگریٹ فرش پر پھینک کر جوتے سے مسلا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے اور پورے چاند میں بنتے لائبہ مراد کے عکس نے اس کے اندر زیاں کے احساس کو کچھ اور گہرا کر دیا تھا۔

اور یہ لڑکی حنا احتشام کیا تمہاری جگہ لے سکے گی اور تم نے تم نے، کتنی آسانی سے مجھے اس کے حوالے کر دیا۔ ایک بار تم مان جاتیں لائبہ تو میں سب کو چھوڑ دیتا۔

اور اس نے دیکھا لائبہ کے ہونٹوں پر ابھرتی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ شاید وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ وہ بری طرح جھنجلا گیا۔

"مانی! کیا سوچ رہے ہو۔ چلو حنا تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" آپا نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ابھی میرا پارٹ باقی ہے اس ڈرامے میں۔" وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو، تمہاری نئی زندگی کی شروعات ہو رہی ہیں اور تم اسے ڈرامہ کہہ رہے ہو۔" آپا قدرے خفا ہو کر بولیں۔ وہ یونہی کھڑکی سے باہر جھانکتا رہا۔

"اچھا چلو، اب بہت رات ہو گئی ہے۔ ہنی انتظار کر رہی ہو گی۔"

"آپا! پلیز بس کریں اب، بابا جان کی ضد تھی کہ وہ ہنی کو ہمیشہ کے لیے اس گھر میں لانا چاہتے تھے اور وہ بھی میرے حوالے سے، سو لے آئے۔ میں کیا سوچتا ہوں، کیا چاہتا ہوں۔ یہ سوچنے کی زحمت کسی نے نہیں کی۔ وہ جو کل تک میرے کندھے سے لٹک کر مجھ سے ٹافیوں کی فرمائش کرتی تھی۔ اس کو میری بیوی بنا دیا۔ میں نے بھی کر دیا جو وہ چاہتے تھے۔ اب مزید مجھ سے کوئی توقع مت رکھیں آپ لوگ۔ بہت ہو گیا اپنی محبتوں کا بھرپور خراج لیا ہے آپ لوگوں نے اور میں کیا کچھ ہار گیا ہوں یہ کسی کو خبر نہیں۔ خدا کے لیے اب تو مجھے بخش دیں۔"

وہ بھڑک کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ آپا متحیر سی اسے دیکھے گئیں۔ پھر قدرے خفگی سے بولیں۔

"یہی سب کرنا تھا تو پہلے انکار کر دیا ہوتا۔ اب تعلق باندھا ہے تو نبھانا بھی سیکھو۔ ٹھیک ہے وہ تم سے کچھ چھوٹی ہے۔ مگر سمجھدار ہے۔ ایڈجسٹ کر لے گی تمہارے ساتھ یا پھر پہلے انکار کرتے۔"

"کیا تھا بہت زور و شور سے کیا تھا۔ کنپٹی پر پستول رکھ کر منوایا گیا ہوں اور وہ بھی میری نہیں دادا جان کی۔ ایک بار تو دل چاہا پھر بھی انکار کر دوں۔ ذرا دیکھوں تو سہی۔"

"اللہ نہ کرے۔" آپا نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ "اگر خدانخواستہ دادا جان کو کچھ ہو جاتا تو کیا تم خود کو معاف کر پاتے۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔ بس اموشنل بلیک میلنگ تھی اور میں احمق گدھا بلیک میل ہو گیا، پتا نہیں کیوں۔" آپا نے مسکراہٹ دبائی۔

"میں جانتی ہوں، بہت چاہتے ہو تم ان کو امی ابو کی وفات کے بعد جس طرح انہوں نے ہمیں سنبھالا ہے۔ جس طرح ہمارا خیال رکھا ہے۔ شاید ہی کسی دادا دادی نے رکھا ہو۔"

"ہاں اور چاہت کا کتنا غلط خراج لیا انہوں نے۔ بچپن سے لے کر آج تک ہر خواہش پوری کی انہوں نے میری، جوتے سے لے کر شرٹ تک اور ناشتے سے لے کر وزٹ تک ہر چیز میری پسند اور ناپسند کے مطابق ہوتی تھی اور اب میری زندگی کا کتنا بڑا فیصلہ کتنی آسانی سے خود بخود کر گئے۔ مجھ سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا۔ آج ہنی کی جگہ اگر ــــ"

"کون ــــ؟" آپا چونکیں۔

وہ ایک دم چپ ہو کر لب کاٹنے لگا۔ آپا کو اس پر ترس آ گیا۔ نجانے وہ کس اذیت میں گرفتار تھا۔ جذباتی تو وہ شروع سے ہی تھا۔ ذرا سی بات پر بھڑک اٹھنا، خفا ہو جانا اس کی عادت ہی تھی۔ مگر اب تو اک نامعلوم سا دکھ تھا جو اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگا تھا۔ اکلوتا لاڈلا بھائی۔ ان کے میکے کا مان۔

وہ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پوچھنے لگیں۔

"بہت چاہتے تھے اسے ــــ؟"

وہ بری طرح چونکا۔ پھر نظریں چرا کر رخ موڑ گیا۔ گویا ان کے خیال کی تصدیق ہو گئی ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"کون تھی وہ؟"

"تھی۔" اسے یہ لفظ بہت عجیب لگا۔ محض ایک دن کا فاصلہ اور وہ ماضی ہو گئی۔

"اب کیا فائدہ آپا ــــ" سلگتا ہوا لہجہ تھا۔

"اچھا نہیں کیا دادا جان اور دادو نے۔" وہ بڑبڑا کر رہ گئیں۔ پھر ہنی کا خیال آیا۔

"مگر بھیا! اس میں ہنی کا کیا قصور۔ وہ بھی تو مظلوم ہے۔ نہ باپ رہا نہ ماں، ددھیال والے رکھنے کو تیار نہ تھے۔ ذرا سوچو، کتنے مجبور ہیں دادا اور دادی، بیٹے اور بہو کے بعد بچی کی موت کا دکھ دیکھا ہے انہوں نے۔ نواسی کو کہاں چھوڑتے۔ اس کے ددھیال والوں کو تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں آیا۔ اب ہر کسی کی دادی ہماری دادو جیسی شفیق نہیں ہوتیں۔ بھول گئے ہنی کو یہاں چھوڑ کر اب یہ نواسی کو کہاں چھوڑ آتے۔ اس کے اور ہمارے دکھ مشترک ہیں۔ اس نے بھی کم عمری میں ماں باپ کی جدائی سہی ہے اور ہم نے بھی۔ اس سے کیسی نفرت۔"

اگر وہ ایک لمحے کو اپنے دل میں جھانک کر ایمان داری سے اپنا تجزیہ کرتا تو شاید جان لیتا کہ وہ کب اس سے نفرت کرتا تھا۔ وہ کم عمر معصوم سی لڑکی اس کی کزن تھی۔ پھپھو کی وفات کے بعد تو اسے اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔ اب تو بس لائبہ کے چھن جانے کا دکھ تھا۔ یا دادا جان کے اچانک فیصلے پر احتجاج اور غصہ تھا۔ ہنی بھی اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ پھر ایک دم اسے اپنی بیوی کے روپ میں قبول کرنا کس قدر مشکل تھا۔

"یہ گھر تو ہمیشہ سے حادثات کی زد میں رہا ہے اور پھر دادا دادی کو دیکھو۔ کیا کچھ سہا ہے انہوں نے اپنی جان پر، اب تو ان کی ساری خوشیاں تم سے اور ہنی سے وابستہ ہیں۔"

آپا اسے سمجھا بجھا کر دروازے تک لے آئیں۔ ساتھ ہی ایک مخملیں ڈبیہ نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔

"لاکٹ ہے۔ اسے رونمائی میں دے دینا اور ہاں! پلیز آرام سے، پیار سے۔ اس سارے میں ہنی کا کوئی قصور نہیں۔"

"ارے دولہا میاں ابھی تک یہیں کھڑے ہیں۔" دانیال بھائی اچانک آ نکلے۔

"نیگ دیے بغیر چلا جاتا۔" آپا مسکرائیں۔

"آپ کیلے اکیلے ہی۔" وہ حیرت سے مسکرائے۔

"یہ ہم بہن بھائی کا معاملہ ہے۔" انہوں نے ارمغان کو اندر دھکیلا۔ اس نے قدرے جھنجلا کر دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھائی تھی۔

"کیا ملا نوجہ محترمہ؟"

"افوہ! دکھاؤں گی۔ آپ چلیں اپنے کمرے میں۔ میں منے کے لیے دودھ گرم کر لاؤں۔" وہ جھنجلائیں۔ تو وہ سر جھٹک کر چلے گئے۔

"اے عائشہ بی! کیا چلا گیا؟" دادی جان پیچھے سے اشارے سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی دادو۔" وہ مرے مرے قدموں سے پیچھے آئیں اور سر پکڑ کر صوفے پر ڈھے گئیں۔

نیند میں آگے پیچھے ڈولتی ہنی ہوشیار ہوئی۔ پر ایک تو تھکن اور نیند اعصاب پر سوار تھی اور دوسرے وہ آیا ہی کچھ اس طرح تھا کہ آپا کے رٹائے سارے سبق ذہن سے اڑنچھو ہو گئے۔ دوپٹہ کھسک گیا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھے گئی۔

"یہ کیا ناٹک ہے۔ نیند آ رہی تھی تو سو جاتیں محترمہ۔" اس کی نیند بھری سرخ آنکھوں کو دیکھ کر وہ بگڑا۔ ہنی نے گھبرا کر دوپٹہ کھینچنا چاہا۔ وہ بیچارے کا سارا اس کے نیچے دب گیا تھا۔ شاید سو گئی تھی تو نیند نکل گئی تھی۔

"یہ پہن لینا" آپا نے دیا تھا۔" اس نے ڈبیہ اس کی طرف اچھالی۔ سیدھی اس کی گود میں آ کر گری۔ خود اس نے کوٹ اتار کر صوفے پر اچھالا۔ بیڈ پر گر کر تکیہ سر پر رکھ لیا۔ گویا ساری ذمہ داری پوری ہو گئی تھی۔

"سونے سے پہلے لائٹ آف کر دینا۔ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔" تکیے میں سے آواز آئی تھی اور آخری جملہ تو بطور خاص اسے سنایا گیا تھا۔ تکیے میں منہ دیے وہ اس کے ردعمل کا منتظر تھا۔ ذرا دیر بعد محسوس ہوا کہ وہ بیڈ سے نیچے اتری ہے۔

"شاید چینج کرنا ہو۔" پر چٹخنی کھلنے کی آواز پر وہ بھڑک کر اٹھا۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟"

دروازے سے باہر نکلتی حنا وہیں ساکت ہو گئی تھی۔

"کیا پوچھ رہا ہوں میں؟"

"ہم ... میں یہاں نہیں رہوں گی۔" وہ منمنائی تھی۔

"کیوں۔ کیا مصیبت ہے "کاٹتا ہوں میں۔" وہ غصے سے دھاڑا۔ خوف بھی مانع تھا اگرچہ چیخ نکل گئی تو۔"

"واپس آؤ۔" اس کے اتنے رعب کے جواب میں حنا نے بدقت نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"آپی تو دھمکیاں دی تھیں اور اب اتنے غصے میں ہیں۔ پتا نہیں تمہارے ساتھ کیا کریں۔ مت جانا ہنی۔" ذہن نے فوراً مشورہ دیا۔

اسے وہیں ڈٹے دیکھ کر ارمغان کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"کیا کہہ رہا ہوں میں۔" وہ غضب ناک ہو کر اٹھا تھا۔ ہنی کی چیخ تو حلق میں ہی گھٹ گئی تھی۔ مگر اس نے تیزی سے دروازہ کھول کر نیچے دوڑ لگا دی۔ سیڑھیوں پر لہنگا پیروں میں پھنس گیا۔ اور وہ سر کے بل لڑھکتی ہوئی آپا کی گود میں سوار ہوئی تھی۔ دادو ہکا بکا رہ گئیں اور اوپر کھڑا ارمغان سر پیٹ کر رہ گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"اب تم دونوں میں سے کسی نے گڑبڑ کی۔ تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ جو وقت گزر گیا۔ اب تو بس نبھانی ہے۔ کچھ دادا، دادی کی عزت کا ہی خیال کیا ہوتا۔ کل جو کسی کی نظر پڑ جاتی تو دو کوڑی کی عزت نہ رہتی۔"

آپا سخت غصے میں تھیں۔ بڑی مشکلوں سے ہنی کو اس کے کمرے میں چھوڑنے آئی تھیں۔ وہ تو راضی ہی نہ تھی۔ کل کی رات دادی کے کمرے میں گزاری۔ خود مزے سے سوتی رہی "ان لوگوں کی رات آنکھوں میں کٹ گئی۔

"یہ خود گئی تھی میں نے کیا کہا تھا۔" وہ سارا الزام اس پر دھر گیا۔

"نگلا دو والیجی۔ چپ چاپ سی ہے نا۔"

"ہائے اللہ! ہیں ارمغان۔" آپا دہل کر رہ گئیں۔

"اس کی باتوں میں آ گئی ہیں۔ حد ہوتی ہے دروغ گوئی کی۔ میں نے خاصی معصوم لڑکی سمجھا تھا۔" ارمغان نے تپ کر کہا۔

"نہیں، ساری معصومیت تو آپ پر ختم ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔" ارمغان گرجا۔

"دیکھا آپا۔" ہنی نے روہانسی ہو کر آپا کو دیکھا۔

"پاگل کر دو گے تم لوگ مجھے۔" وہ سر تھام کر رہ گئیں۔

"آپ کیوں ہونے لگیں۔ پلے تو میرے پڑی ہے۔ میں ہوں گا پاگل۔" وہ بیڈ پر بیٹھا سلگ رہا تھا۔

"اور میں بھی۔" ہنی نے بڑی افسردگی سے کہا۔

"ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔ شوہر ہے تمہارا۔" آپا نے ڈانٹا۔

"ان کی لغت میں خاموشی کا لفظ نہیں ہے۔ ملک الموت بھی آ گیا تو اس سے بھی پٹر پٹر باتیں بگھاریں گی۔"

لڑکی تو وہ پہلے بھی بس تھی "مزاج میں ابھی بچپنا تھا" ضدی بھی تھی۔ ضد کر کے ہر بات منواتی۔ پہلے ارمغان اس کے جملوں کو انجوائے کرتا۔ اس کی ضدیں بھی پوری کر دیتا تھا۔ اب بھاری فیوزی اور برائیڈل کنٹراسٹ کے ویسے کے جوڑے میں دلہن کا میک اپ کیے اور بھاری جیولری پہنے اپنی تمام تر معصومیت اور حسن کے باوجود یوں جواب دیتی زہر لگ رہی تھی۔ آج ان کا ولیمہ بہت شاندار ہوا تھا۔ چاند سورج کی جوڑی تھی۔ مگر ارمغان کے چہرے کے تناؤ میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ آج تو ہنی بھی منہ بسورے بیٹھی رہی تھی۔ کئی لوگوں نے دبی دبی زبان میں سرگوشیاں کی پوچھا بھی، آپا اور دادی جز بز ہوتی رہیں۔

"اب سو جاؤ تم لوگ۔" آپا انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر آئی تھیں۔

"کہاں جا رہی ہیں۔ یہ زیور تو اتار دیں۔ اتنا بھاری ہے۔"

آپا طویل سانس لے کر پلٹیں۔ ایک نظر ارمغان پر ڈالی۔ وہ بیڈ پر نیم دراز ہاتھ میں کتاب لیے بیزار سا بیٹھا تھا۔ پہلی رات کی ساری خوب صورتی تو غارت کر چکے تھے وہ لوگ امید آج بھی کچھ نہ تھی۔

"ضرورت کیا تھی اس لیپا پوتی کی۔ شکل تو وہی رہی تھی۔ ہونق سی۔" ارمغان نے چڑایا۔

"جی نہیں۔ میں آج سب سے اچھی لگ رہی تھی۔ ہے نا آپا۔" ہنی نے اترا کر کہا۔ اس کے اترانے میں معصومیت کے ساتھ تیکھا پن تھا۔

"اپنے منہ میاں مٹھو۔"

"آپا! دیکھیں نا۔"

"ارمغان بی ہیو یور سیلف۔" آپا نے ڈانٹا۔

"ہونہہ۔" وہ پھر سے کتاب کی طرف متوجہ ہوا۔ آپا نے اس کا سارا زیور اتار کر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں سنبھال کر رکھا۔ میک اپ صاف کرتے ہوئے دل مسوس کر رہ گئیں۔ چار گھنٹے لگے تھے پارلر میں "گیا پریوں سا روپ کیا تھا۔ سب ہی نے تعریف کی اور ارمغان نے شاید اسے نظر بھر دیکھا بھی نہیں۔

"پتا نہیں کیا بنے گا۔" وہ متفکر تھیں۔ ہنی بڑے مزے سے سارے فنکشن کو یوں ڈسکس کر رہی تھی جیسے کسی اور کا ولیمہ اینڈ کر کے آئی ہو۔

"ہاں آپا! وہ مان نے جو لاکٹ دیا ہے نا۔ مجھے اس کا ڈیزائن پسند نہیں آیا۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں ارمغان کو دیکھا۔ اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"ہائے ہنی! وہ لاکٹ تو بہت پیار سے ارمغان نے دیا تھا رونمائی میں۔" آپا بے اختیار بولیں۔

"پیار سے تو نہیں دیا تھا۔ یوں کر کے پھینکا تھا۔" اس نے لاکٹ اٹھا کر اچھالا۔ وہ سیدھا ارمغان کی جھولی میں پڑا تو وہ بھڑک کر اٹھا۔

"دیکھا آپا! کس قدر جاہل اور ال مینرڈ لڑکی ہے۔"

"اس طرح دیا تھا۔" اس نے دل گرفتگی سے آپا کو دیکھا۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا کہ فائدہ ہی کچھ نہ تھا۔ بس سلیپنگ سوٹ اس کے ہاتھ میں دے کر ڈریسنگ روم کی طرف دھکیل دیا۔ جب وہ چینج کر کے باہر آئی تو وہ جاچکی تھیں۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے کاٹن اور نیل پالش ریموور اٹھایا اور بیڈ پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ ارمغان نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ پہلے دن کی طرح خوف زدہ نہیں تھی بلکہ دادی کی خوب سکھائی پڑھائی لگ رہی تھی۔

"بات سنو۔" اسے یوں مطمئن دیکھ کر اسے چین نہیں آیا۔

"جی۔" اس نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائیں۔

"اگر اس کمرے میں رہنا ہے تو ڈھنگ سے رہنا' میری کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔"

ہنی نے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

"بچہ سمجھتے ہیں مجھے۔ نانو نے بھیج دیا ورنہ میں نہیں آرہی تھی۔"

"تم میں عقل نہیں ہے۔" ارمغان نے چڑایا۔

"میاں ہماری بھی بہت سی چیزیں رکھی ہیں' آپ بھی مت ہاتھ لگایئے گا انہیں۔" اسے بھی غصہ آگیا۔

"تم ...!" ارمغان حشر کر دیتا اس کا' مگر بتا تھا۔ کچھ بھی کہہ دیا تو وہ دادی کی گود میں جا چڑھے گی۔ اسے پروا بھی نہ ہوتی۔ مگر گھر میں کچھ مہمان ابھی بھی موجود تھے۔ اس نے غصے میں کتاب پرے اچھالی اور تکیے میں سر دے کر لیٹ گیا۔

"نہ جانے کس گناہ کی سزا ہو تم۔ کسی عذاب کی طرح مسلط کی گئی ہو مجھ پر۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ افسردگی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

آپا کا ارادہ تھا کہ وہ کچھ دن یہاں رہ کر ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں گی مگر ایبٹ آباد سے ان کی ساس کا بلاوا آگیا۔ وہ بیمار تھیں اور تنہا بھی۔

آپا اور دانیال بھائی نے عجلت سامان باندھا اور روانہ ہو گئے۔ جاتے جاتے انہیں ایبٹ آباد آنے کی پر زور دعوت دے گئے۔ ارمغان انہیں سی آف کرنے ائرپورٹ گیا تھا۔ واپس آیا تو وہ ٹی وی لاؤنج میں دادی کی گود میں سر رکھے بیٹھی تھی۔

"کتنی اداسی ہو گئی ہے نا آپا کے جانے کے بعد۔"

"اداسی کیسی' ساتھ خیریت کے اپنے گھر پہنچے ساس سسر کی خدمت کرے۔ میرے گھر کی رونق تو تم سے ہے۔" دادی نے نہال ہو کر اس کی پیشانی چومی۔ وہ کلس کر رہ گیا۔

"بیٹا! چھوڑ آئے انہیں۔" دادی نے اس کو آتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں' واپس لے آیا ہوں۔"

ہنی ہنسنے لگی۔ وہ نظر انداز کر کے اوپر جانے لگا مگر دادی نے پکار لیا۔

"دو گھڑی اپنی دادی کے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔" وہ پلٹ کر صوفے پر بیٹھا اور ریموٹ سے ٹی وی آن کر دیا۔

نہ تو آئے گی نہ ہی چھن آنے کا
میرے آنگن کی ہری بیلوں کا پتا پتا سوکھتا جا

جنید کی آواز پر وہ اٹھ بیٹھی۔

"اسی چینل پر لگا دیں۔"

ارمغان نے کھٹ سے بٹن دبا کر اسپورٹس چینل لگا دیا۔ پوری سائیکل ریس لگی تھی۔ وہ پھر سے دادی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ غصہ تو آیا تھا بے عزتی بھی محسوس ہوئی۔ دادو نے پہلے گھور کر ارمغان کو دیکھا پھر شد آگیں لہجے میں بولیں۔

"تمہاری بہن بہت اصرار سے کہہ کر گئی ہے۔ میں تو کہتی ہوں۔ کچھ دنوں کے لیے چلے جاؤ۔ ہنی کا دل بہل جائے گا۔"

"اس کا دل آپ ہی بہلایئے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔" وہ روکھے انداز میں بولا۔

"ایسے کون سے پہاڑ توڑنے ہیں۔ دنیا بھر کے میاں بیوی شادی کے بعد گھومنے جاتے ہیں۔"

"ارمغان! میرا دل چاہتا ہے میں پہاڑ کی چوٹی کو چھوتے بادلوں کو دیکھوں۔" ریگ ساحل پر قدم دھرتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر نیلگوں فلک پر ڈوبتی آتشیں رنگ میں بھیگی بدلیوں کو دیکھا تھا۔

"میں نے کبھی پہاڑ پر ہوتی بارش نہیں دیکھی۔ میں اس کی آواز سننا چاہتی ہوں۔"

"لاؤ ہاتھ۔" ارمغان نے اس کے سامنے آکر ہتھیلی پھیلائی۔ لائبہ نے تحیر آمیز استعجاب سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت میں دیا تھا۔

"میں شادی کے بعد تمہیں دنیا کے سارے پہاڑ گھماؤں گا۔" اس نے ایک وعدہ کیا تھا۔

"کہاں کھو گئے۔ تمہارا دادا بھی یہی کہہ رہے تھے۔" وہ چونکا اور دل میں اترتے ملال کے رنگوں کو محسوس کرنے لگا۔ ہنی نے کہا کچھ نہیں مگر منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرے پاس وقت نہیں۔" وہ ریموٹ ٹیبل پر اچھال کر وہ سیڑھیاں پھلانگ گیا۔

"پتا نہیں کیا سوچ رکھا ہے اس لڑکے نے۔"

"پہلے ماں کتنے اچھے ہوتے تھے۔ ہر بات مانتے تھے۔ اب تو ہر بات میں ڈانٹتے ہیں۔ نانو! آپ نے میری شادی زبردستی کیوں کی ان کے ساتھ۔"

"زبردستی کیسی؟"

"آپ مجھے بھی تو بالکل مت سمجھا کریں۔" وہ چڑ گئی۔ "اسی گھر میں رہتی تھی میں بھی۔ سب سمجھتی ہوں۔ وہ کسی اور کو چاہتے تھے۔"

"تو خواہ مخواہ۔" آپا چپ کرا گئی تھیں۔ مگر وہ صاف مکر گئیں۔ اس آئینے جیسی شفاف لڑکی کے شیشہ دل میں بال نہیں آنا چاہیے۔ عمر بھی کیا تھی اس کی۔ کچھ دنوں کے بعد محض سولہ برس کی ہوتی۔ انہوں نے شوہر کو سمجھایا بھی تھا۔

"پہلے زمانے کی بات اور تھی' سلیقہ طریقہ گویا گھول کر اتنی سی عمر میں پلا دیتی تھیں مائیں۔ یہ آج کل کی لڑکیاں تو بیس برس کی عمر میں بھی بچپنی رہتی ہیں۔ بس کتابیں پڑھ لیں اور ٹی وی دیکھ کر خوش ہو لیا اور سمجھے کہ زندگی یہی ہے۔"

مگر انہوں نے آرام سے کہہ دیا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اب وہ پوتے کی تیور دیکھ دیکھ کر ہولتی رہتیں۔ آپا نے سمجھایا۔ کچھ دنوں کے لیے میرے پاس بھیج دیں۔ تنہا گھومیں پھریں گے تو شاید دونوں کے دل میں کچھ فطری محبت جاگے۔ مگر یہاں تو وہ جانے کو تیار نہ تھا۔ دادی نے طویل سانس لے کر اسے دیکھا اور میاں کو مٹھی میں کرنے کے تیر بہدف نسخے بتانے لگیں۔

"چھوڑیں نانو! وہ چھ فٹ کا بندہ میری نازک سی مٹھی میں کہاں سے آئے گا۔ دفع کریں اور گانے سنیں۔"

اس نے آرام سے میوزک' چینل سیٹ کر کے لاپروائی سے کہا اور گانے سننے لگی۔ بے چاری نانو سر پکڑ کر رہ گئی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ آفس کیا آیا۔ سب نے اسے حسب توقع گھورا اور حیرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ جھنجلا کر رہ گیا۔

"یہ کہاں لکھا ہے کہ شادی کے بعد بندہ آفس نہیں آتا۔"

"برادر م! لکھا تو ہے کبھی کہیں نہیں کہ شادی کے تیسرے دن آفس بھاگ آؤ۔ تم یقین کرو۔ تمہارے بغیر بھی یہ میگزین مارکیٹ میں آجائے گا۔" وسیم نے کہا تو عالیہ بھی بول اٹھی۔

"ہمارا تو خیال تھا تم ہنی مون کے لیے نکل گئے ہو گے۔"

ان سب کے استعجاب آمیز استفہامیہ لہجے پر وہ جھنجلایا تو تھا مگر سنبھل گیا۔

"ہاں جا تو رہے ہیں۔ میں تو یونہی تم لوگوں سے ملنے چلا آیا تھا۔"

وسیم اور ساجد بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگے۔

"ہمارا خیال تھا کہ ہم تمہارے بغیر اداس ہو گئے

ہوں گے۔"

"بھاڑ میں جاؤ۔" وہ خفا ہو کر اٹھنے لگا تو طاہر نے اس کا بازو تھام لیا۔

"ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم ہم سے بہت محبت کرتے ہو۔"

"ویسے ارمغان! تمہاری وائف بہت پیاری ہے۔ انوسینٹ اینڈ کیوٹ۔" عالیہ نے کہا۔ وہ سب ہی ولیمے پر آئے تھے، ماسوائے لائبہ کے۔

"ہاں واقعی۔ مگر ارمغان سے ذرا چھوٹی لگتی ہیں بھابھی۔"

"ہاں تھوڑی ینگ ہیں۔ مگر ارمغان کے ساتھ سوٹ کر رہی تھیں۔ ارمغان! تم لوگ واپس آؤ گے تو ہم لوگ تمہاری دعوت کریں گے۔" عالیہ نے کہا تو سب لوگ تائید کرنے لگے۔

"مگر تم لوگ جا کہاں رہے ہو۔" ساجد نے پوچھا۔

"پہلے ایبٹ آباد آپا کے پاس۔ پھر وہاں سے آگے کہیں بھی۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر کہا۔ مقصد انہیں ٹالنا تھا۔ بہت انا پرست تھا۔ کسی دوسرے کو یہ شائبہ تک نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ یہ سب اچانک اور زبردستی ہوا ہے۔ وہ لوگ اب بھی حنا کو ڈسکس کر رہے تھے۔ ارمغان کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔ اس نے اکتا کر لائبہ کی خالی چیئر کو دیکھا۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

"لائبہ نہیں آئی آج۔۔۔؟" اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"ہاں وہ کچھ دن آفس نہیں آئے گی۔ شاید کہیں جا رہی ہے۔" وسیم نے بتایا تو وہ بے اختیار ہو کر پوچھنے لگا۔

"کہاں؟ کہاں جا رہی ہے؟"

"میں نے پوچھا نہیں۔"

"ہاں ارمغان! وہ تمہارے ولیمے پر بھی نہیں آئی۔ کیا تم نے انوائیٹ نہیں کیا تھا۔" عالیہ نے اچانک پوچھا۔

"کیا تو تھا۔ شاید مصروف ہو گی۔" اس کا لہجہ خود بخود دھیما سا ہو گیا۔ پھر وہ کھڑا ہوا تو وسیم نے حیرت سے پوچھا۔

"کدھر بھئی۔۔۔؟"

"بس اب چلتا ہوں۔"

"ہاں، اب کہاں ٹھہرو گے۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا اور ارمغان بیزار سا ہو کر باہر نکل آیا۔

کچھ لمحے یونہی سڑکوں پر بائیک دوڑانے کے بعد اس کا رخ لائبہ کے فلیٹ کی طرف تھا۔ مگر فلیٹ پر تالا پڑا تھا۔ وہ کچھ لمحے بند دروازے کو گھورتا رہا پھر خاموشی سے پلٹ آیا۔

"کس سے بھاگ رہی ہو لائبہ مراد! مجھ سے یا اپنے آپ سے۔" پررونق سڑک کے کنارے بائیک روک کر اس نے کسی آشنا چہرے کو تلاشنے کی کوشش کی۔

"شاید تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا۔ دوریاں محبتوں کو بڑھا دیتی ہیں۔ کیا تمہارے یوں چھپ جانے سے وہ تحریر مٹ جائے گی جو خود محبت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ہمارے دل پر کندہ کی تھی۔"

اس کے دل پر اداسی قطرہ قطرہ برسنے لگی۔ بھری سڑک پر اس نے خود کو بے حد تنہا اور اکیلا محسوس کیا تھا۔

"کیا یوں تم مجھے بھول جاؤ گی لائبہ مراد!" اس نے اپنا تحیر بھرا سوال ہواؤں کے سپرد کیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

تیری آنکھوں نے میرے گرد اک دیوار کھینچی ہے
میں اس سے بھاگ کر جانا بھی چاہوں تو کہیں اب
جا نہیں سکتی
کہ پیروں سے کوئی زنجیر بے آواز لپٹی ہے
یہ وہ دیوار ہے، جس میں کوئی روزن نہیں کھلتا
میں اس میں در بناتا ہوں تو ہر اک خشت میرا
راستہ روکے
میرے کانوں میں اک پرکیف سی آواز آتی ہے
یہاں سے بھاگ کر جانا کوئی آساں نہیں ہے
محبت اس قدر کمزور میری جاں نہیں ہے
تیری آنکھوں نے میرے گرد جو دیوار کھینچی ہے

میں اس کو توڑنا چاہوں تو تیشہ سر کو آتا ہے
یہاں اڑنا کہاں اس طائر بے پر کو آتا ہے
میری ساری توانائی یہاں ناکام ہوتی ہے
یہیں اب صبح ہوتی ہے، یہیں اب شام ہوتی ہے
تیری آنکھوں نے میرے گرد جو دیوار کھینچی ہے
مجھے اس سے مفر کا ایک بھی رستہ نہیں ملتا
کہ اس دیوار کے پیچھے بھی اک دیوار لگتی ہے

جب میں نے پہلی بار لائبہ مراد کو دیکھا۔۔۔۔

وہ اوائل اکتوبر کی مہکی مہکی رنگوں میں ڈھلی شام تھی۔ پرانی طرز کے بنے بنگلوں کے گرد چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں پھول مہکتے تھے۔ ان کے گرد بنے جنگلوں پر سرخ، کاسنی اور سفید ننھے منے پھولوں کی بیلیں کچھ اس طرح پھولوں سے لدی تھیں کہ سبز پتوں کا رنگ کہیں غائب ہو گیا تھا۔ چوڑی سڑک کے گرد سفیدے اور صنوبر کے طویل قامت درخت ایستادہ تھے۔ میں اور دادا حسب معمول واک کرتے ہوئے سڑک کی دائیں طرف اترے اور فٹ پاتھ عبور کر کے چرچ روڈ پر آ گئے۔ یہاں درختوں کے چوڑے سبز پتوں میں چھپی شام کچھ اور گہری ہو رہی تھی۔ یہاں پرندوں کی بولیاں اپنی پوری آواز اور وضاحت کے ساتھ سنائی دے رہی تھیں۔ اک مہکی سی خاموشی اور ٹھنڈک آمیز سکوت۔ سرخ چھتوں سے بنی چرچ کی خوبصورت عمارت سنسان پڑی تھی اور دروازے پر موٹا سا تالا پڑا تھا۔ یہاں صرف اتوار کے اتوار سروس ہوتی تھی۔ تب ہی نرسری کی سائیڈ سے نکل کر دو لڑکیاں سامنے آئی تھیں اور میں اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس ڈارک براؤن بالوں والی لڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ دونوں دھیرے دھیرے باتیں کرتی، اعتماد سے قدم بڑھاتی ہمارے سامنے سے گزر کر دائیں طرف مڑ گئیں۔

"کچھ لوگ دوسروں سے بہت مختلف ہوتے ہیں بابا۔" میں نے کہا تو بابا کھل کر مسکرائے۔

"بعض لوگ مختلف نہیں ہوتے گرینڈ سن! ہماری سوچ اور نظر کے زاویے انہیں مختلف بنا دیتے ہیں۔" میری نظروں کی چوری پکڑی جا چکی تھی۔ میں جھینپ کر صلیب پر اتری ننھی چڑیا کو دیکھنے لگا۔ مگر ذہن وہیں اس لڑکی کے براؤن بالوں اور پر اعتماد چال میں اٹک گیا تھا۔ دل ایک دم اکتا سا گیا۔

"بابا! گھر چلیں۔"

"ابھی سے۔۔۔" بابا نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"بس موڈ نہیں رہا۔"

"تم جاؤ، میں ذرا شیرازی صاحب کے ہاں سے ہو کر آتا ہوں۔" بابا نے کہا میں اکیلے ہی واپس پلٹ آیا۔ گیٹ کے پاس ہی تیز تیز پیڈل مارتی ہنی نے اپنا سائیکل عین میرے پاس آ کر روکنے کی کوشش میں مجھے دھکا دے مارا تھا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ جبکہ ہنی اور سائیکل دونوں نیچے گرے تھے۔ وہ اچھل کر کھڑی ہوئی اور اپنی سائیکل سیدھی کرتے ہوئے پرجوش انداز میں بولی۔

"ہائے ہان بھائی!"

"یہ جہاں میں نہیں ہوتا۔ وہاں تم سائیکل کیسے روکتی ہو؟" میں نے اپنا بازو سہلاتے ہوئے اسے گھورا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"آپ کو چوٹ لگی ہے۔"

"کچھ خاص نہیں۔ تم کیسے آئیں۔"

"نانو کے چاکلیٹ لے کر آئی ہوں۔" اس نے ٹراؤزر کی پاکٹ تھپتھپائی۔ ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اندر چلے گئے۔ دادی جان ہنی کو دیکھتے ہی نہال ہو گئی تھیں۔

"پتا ہے نانو جان! کل بابا نے مجھے ڈانٹا تھا۔" وہ ان کی بانہوں میں سماتے ہی شکایت کرنے لگی۔

"بابا نے کل ڈانٹا اور تم آج شکایت کر رہی ہو۔ تمہیں تو فوراً آنا چاہیے تھا۔" میں نے اس کی عادت کے پیش نظر طنز کیا۔

"ہاں نا۔" وہ فوراً ان کی بانہوں سے نکل کر میری طرف پلٹی۔ "میں تو آ رہی تھی۔ مگر فیصل آباد سے چھوٹی پھپھو آ گئیں۔"

"فرخندہ آئی ہے۔" دادی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں انکل سے لڑ کر آئی ہیں۔" اس نے لاپروائی

سے بتایا۔ دادی جان تو اچھل ہی پڑیں۔
"وہ کس لیے؟"
"آئی ڈونٹ نو۔" اپنے گھنگھریالے بالوں کی ننھی سی پونی جھلاتے ہوئے وہ لاپروائی سے بولی۔
"ہم نے کچھ سنا بھی نہیں۔" دادی جان کے اندر کھد بد شروع ہو گئی تھی۔
"تو۔" اس نے نفی میں سر ہلا کر چاکلیٹ نکالے۔ "دیکھیں نانو! میں آپ کے لیے چاکلیٹ لائی ہوں۔"
دادی جان کی دلچسپی چاکلیٹ سے زیادہ اس کی پھپھو میں تھی۔ مگر وہ چاکلیٹ انہیں تھما کر فوراً" کھڑی ہو گئی۔
"مان بھائی! ریس لگائیں گے۔"
"آج نہیں۔" میں نے ٹالا۔
"آپ میری کبھی کوئی بات نہیں مانتے۔" اس نے خفگی سے منہ پھلایا تو مجھے بے اختیار اس پر پیار آ گیا۔
"کل اسی وقت ٹھیک ہے۔"
"اوکے۔" وہ کچھ سوچ کر فوراً" مان گئی۔
"گڈ گرل۔" میں نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ تب مجھے بہت پیاری، بہت عزیز تھی، اور جب وہ مجھے مان کہتی تو میرا سچ مچ اس کا مان بن جانے کو چاہتا تھا۔ پھپھو کی ڈیتھ کے بعد تو وہ ہمارے کچھ اور بھی قریب ہو گئی تھی۔ شاید میں اب بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتا۔ اگر وہ میرے اور لائبہ کے درمیان نہ آتی۔"
اس کا قلم ایک دم رک گیا۔ بہت دیر تک وہ لائبہ کے نام پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ پھر اک طویل سانس لے کر اس نے لکھنا شروع کیا تھا۔
"میں اور ہنی سائیکلوں پر چرچ روڈ کی طرف نکلے تھے۔ جب میں نے تمہیں دوسری بار دیکھا۔ تب مجھے احساس ہوا۔ ہنی کی خواہش کہ سڑک کے کنارے بہت دور تک چلتے ہیں کو رد کر کے اس طرف آنے میں میری کسی لاشعوری خواہش کا عمل دخل تھا کہ میں اسے دوبارہ دیکھوں مگر کیوں؟ میری سائیکل کی رفتار خود بخود آہستہ ہو گئی۔ ایسا کیا ہے اس میں۔" میں نے بہت غور سے اسے دیکھا۔ تیکھے تیکھے سے نقوش شہابی رنگت پر اعتماد و بے نیاز انداز، ہلکے سبز لباس میں وہ اس دن سے زیادہ خوب صورت لگی۔ اس کے ساتھ آج بھی کل والی لڑکی تھی۔
"ہرے۔" ہنی نے نعرہ لگایا تو میں نے چونک کر سائیکل کی رفتار بڑھائی۔
"ارمان بھائی! آپ آج بھی ہار گئے۔" پھولی پھولی سانس کے ساتھ مسرور سی ہنی نے کہا۔ اس کی گلابی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ نو خیز چہرے پر بڑا جوش اور خوشی تھی۔
"تم نے سبز ڈریس والی لڑکی دیکھی۔۔۔ کیسی ہے؟"
ہنی نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا۔ پھر کندھے اچکا کر بولی۔
"میں نے تو انہیں دیکھا ہی نہیں۔"
"بدھو ہو تم۔"
"ہم کہیں۔۔ واپس چلتے ہیں۔" ہم دونوں واپس پلٹے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ہنی نے رفتار آہستہ کی۔
"ہائے۔" اس کی پرجوش آواز پر ان دونوں نے چونک کر دیکھا۔ پھر ہاتھ ہلا کر اسے جواب دیا تھا۔ ہنی پیڈل مارتی میرے قریب آئی۔
"بس ٹھیک ہے۔ کچھ خاص نہیں۔"
"تم واقعی ڈفر ہو۔" میں نجانے کیوں چڑ گیا اور وہ مجھ سے خفا ہو گئی تھی۔ پھر یہ میری روٹین میں شامل ہو گیا تھا۔ کبھی دادا کے ساتھ تو کبھی اکیلے میں چہل قدمی کے لیے ضرور نکلتا۔ مگر وہ کبھی اکیلی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ لڑکی ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی۔ میں چاہتا تو بھی کوشش سے اس کا گھر معلوم کر سکتا تھا۔ مگر کوئی خواہش میرے اندر پیدا نہیں ہوئی تھی۔ بس اسے دیکھتا اور دیکھ کر خوش ہو جاتا۔ مجھے اس کی بے نیازی بھاتی کتنے دنوں سے میں اس کے پاس سے گزرتا تھا مگر اس نے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ گویا اسے خبر ہی نہیں کہ میں

اسے دیکھنے کے لیے یہاں آنے لگا ہوں۔
پھر وہ غائب ہو گئی اور میں بے قرار چرچ کے اطراف میں منڈلانے لگا۔ مگر وہ پھر نظر نہ آئی۔
"تمہیں خبر نہیں کہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن شروع ہو گئے ہیں۔ اگر پڑھائی کا ارادہ ترک کر دیا ہے تو اپنے دادا کے ساتھ فیکٹری سنبھالو۔"
ایک دن دادی جان نے مجھے ٹوکا تھا اور میں نے ایڈمیشن لے لیا انگلش ڈیپارٹمنٹ میں اور تعارفی کلاس میں میں لیٹ آنے کی بنا پر سب سے آخر میں بیٹھا تھا اور جب میری دائیں سائیڈ والی رو کی دوسری کرسی سے اٹھ کر اس نے اپنا تعارف لائبہ مراد کے طور پر کروایا۔ تو میرا دل چاہا میں کرسی پر چڑھ کر بھنگڑا ڈالوں۔ اپنا تعارف کرواتے ہوئے میں نے بطور خاص پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔ میرے دیکھنے پر وہ پروفیسر اورلیس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ تمام وقت میں گاہے گاہے اسے دیکھتا رہا۔ مگر اس کے بعد اس نے مجھ پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ کلاس ختم ہونے کے بعد میں سیدھا اسی کی طرف آیا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔
"ہیلو۔۔۔" میرے پرجوش انداز پر اس نے پلکیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ "آپ یہاں۔" میرے لہجے میں کسی دیرینہ دوست سے ملنے والا والہانہ پن تھا۔
"مجھے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔؟" اس نے بے حد سادگی سے سوال کیا تھا۔
"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔" اس نے غور سے مجھے دیکھا پھر فائل میں کاغذ سیٹ کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں۔"
"ہم وہاں اکثر چرچ روڈ پر ملا کرتے تھے۔" میں نے اسے یاد دہانی کرائی۔ اس نے سر اٹھا کر حیرت سے مجھے دیکھا۔ پھر اطمینان سے گویا ہوئی۔
"میں وہاں اکثر جایا کرتی تھی مگر میں آپ سے کبھی نہیں ملی۔" وہ باہر نکل گئی اور میں جل سا ہو گیا۔ سچ ہی تو تھا۔ وہ مجھ سے ملی کب تھی کہ وہ پہچانتی۔ کلاسز شروع ہو گئی تھیں۔
اس دن نے جب میں میڈم رضوی کی کلاس لے کر باہر نکلا تو فرحانہ نے مجھے بازو سے کھینچ لیا۔
"ارمغان! ارمغان! میری بات سنو۔"
میں لڑکھڑا کر پیچھے سے آتی لائبہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ وہ بے اختیار کئی قدم پیچھے ہٹی۔ پھر خشمگیں نگاہوں سے مجھے اور فرحانہ کو گھورتی باہر نکل گئی۔ فرحانہ کا نجانے کیا مسئلہ تھا۔ میں ٹھیک طرح سے سن ہی نہ سکا۔ دھیان پورے کا پورا دروازے سے نکلتی لائبہ کی طرف تھا۔
"اوفوہ! تم میری بات نہیں سن رہے۔" فرحانہ نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ تو میں ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گیا۔
"ہاں کہو!" وہ میری کالج فیلو بھی تھی اور بے تکلف دوست بھی۔ اسے میری وہ والی اسائنمنٹ درکار تھی جو آج ہی میڈم رضوی نے واپس کی تھی۔
"تمہاری نقل والی عادت ابھی تک نہیں گئی۔" میں نے جھنجھلا کر اسے فائل تھمائی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"جب تک تم ہو، مجھے کیا ضرورت ہے دماغ کھپانے کی۔"
میں باہر نکلا تو لائبہ کاریڈور میں وسیم کے ساتھ نجانے کس بات پر جھگڑ رہی تھی۔
"تمہیں میری بات ماننا ہو گی وسیم۔"
"لائبہ! مجھے ابھی ضرورت نہیں ہے۔"
"ہاں، تم ہر ایرے غیرے کی مدد لے سکتے ہو، صرف میری نہیں۔" وہ خفا ہو کر کہہ رہی تھی۔
"اچھا بابا! ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" وسیم نے گویا ہار مان لی تو وہ مسکرا دی تھی۔ پھر اک سرسری نگاہ مجھ پر ڈال کر وسیم سے پوچھنے لگی۔
"شام کو گھر آؤ گے؟"
"ہاں۔۔۔!"
"اوکے، پھر شام میں بات ہو گی۔" وہ میرے قریب سے نکل کر کاریڈور کے سرے پر غائب ہو گئی۔

"تم لائبہ کو جانتے ہو؟" مجھے اس وقت سخت حسد ہو رہا تھا۔ آخر یہ اردو ڈیپارٹمنٹ کا وسیم یہاں لائبہ سے ملنے کیوں آتا ہے' تب ہی بے اختیار وسیم کے سامنے آکر اس سے پوچھنے لگا۔

"ہاں' میرے فادر کے دوست کی بیٹی ہیں۔" اس نے قدرے حیرت سے مجھے دیکھا تھا۔ میں سر ہلا کر کاریڈور کی سیڑھیاں اتر گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"تمہارا نام بہت خوب صورت ہے۔" بینچ کے آخری سرے پر بیٹھتے ہوئے میں نے کہا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر دوبارہ سے ملٹن کو پڑھنے لگی تھی۔

"کس نے رکھا تھا؟" اس کی یہ بے نیازی مجھے کچھ اور اکسا گئی تھی۔

"میرے پاپا نے۔"

"اس کا مطلب کیا ہے؟" مجھے تو بس بات کو آگے بڑھانا تھا۔ اس نے کتاب سے نظریں ہٹا کر قدرے حیرت سے مجھے دیکھا۔ پھر سے کتاب پر نظریں جماتے ہوئے سپاٹ سے لہجے میں بولی تھی۔

"جنت کی حور یا شاید جنت کی سردار حور کا نام ہے۔"

"واؤ۔ شاید اسے ہی اسم با مسمیٰ کہتے ہیں۔" میں بے اختیار بولا۔

"بس یا کچھ اور بھی پوچھنا ہے۔" وہ بے حد بیزاری سے بولی۔ میں ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا۔

"تمہاری ابھی تک کسی سے فرینڈ شپ نہیں ہوئی۔"

"کیا ضروری ہے؟"

"بہتر اور اچھا وقت گزارنے کے لیے بہت ضروری ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"میرا وقت میرے اپنے ساتھ زیادہ اچھا گزرتا ہے۔" وہ اپنے بالوں کو مخصوص انداز میں جھٹکا دے کر مسکرائی۔

"گویا تم دوستی جیسے خوب صورت اور سچے رشتے سے انکاری ہو۔" میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔" وہ کتاب بیگ میں ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

"میں کافی اچھا انسان ہوں مس لائبہ مراد۔"

"مجھے تمہاری اچھائی برائی سے کیا لینا؟" وہ کھٹ کھٹ کرتی کلاس روم میں چلی گئی تھی۔

"لعنت ہے تم پر ارسلان' کتنی لڑکیاں ہیں جو تم پر مرتی ہیں اور تم اس کے پیچھے پاگل ہو اور اس سے بھی زیادہ اس بات پر لعنت کہ تم اتنے دنوں میں اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکے لیکن لائبہ مراد اگر میں ایسا نہ کر سکا تو یونیورسٹی چھوڑ دوں گا۔"

میں میڈم رضوی کو دیکھ کر دل ہی دل میں ارادے باندھتا کلاس میں داخل ہو گیا اور عین لائبہ کے پیچھے والی سیٹ سنبھالی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ منہ بنا کر اپنی فائل کھولنے لگی اور جب میڈم رضوی کا لیکچر اپنے عروج پر تھا اور اس کا قلم بڑی سرعت سے اپنا کام کر رہا تھا۔ میں نے اک روتا بسورتا کارٹون نکر بنا کر عقب سے ہاتھ بڑھا کر خاموشی سے اس کی فائل پر رکھ دیا۔ اس کا قلم ٹھٹک گیا اور میں دبی دبی مسکراہٹ لبوں میں دبائے اس کے متوقع ردعمل کا منتظر رہا۔ مگر اس نے کاغذ اٹھا کر فائل کے نیچے دبایا اور پھر سے لکھنے لگی۔

"تمہیں میری ڈرائنگ کیسی لگی؟" پیریڈ کے اختتام پر میں نے متبسم لہجے میں پوچھا تو وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

"ہاں' تمہارا سیلف اسکیچ اچھا تھا۔"

میں تلملا کر رہ گیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ میری کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی تھی پھر میں نے اک نیا طریقہ اختیار کیا۔ کبھی فرحانہ' کبھی نوشابہ' گلاب کی تیوری کے بل کچھ اور بڑھے۔ مگر مجھے اس سے فائدہ ہونے کے بجائے الٹا میری شہرت کو ہی نقصان ہونے لگا۔ میں بری طرح جھنجلا گیا اب اکثر "جس چلا یقین کہ بڑے ہم ہیں دوستو گنگنایا کرتا۔ مگر وہ پتھر کی

صورت لڑکی سے مس نہ ہوتی۔ انہی دنوں وسیم نے اک نئے میگزین "جواں ادب" کا اجرا کیا۔ لائبہ اس کی نائب مدیرہ تھی۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ میں انہیں جوائن نہ کرتا۔ وسیم کو یوں بھی ایسے افراد کی ضرورت تھی جو فری میں اس کا ساتھ دے سکیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

ٹھہرے ہوئے پانی میں
یوں دور بیٹھ کر کنکر نہ پھینکو
اس ہلچل سے کیا حاصل
قریب آؤ اور آخری بار
آئینہ آب پر
اپنے حسین خدوخال ثبت کردو
سوکھتے تالاب کو اس سے زیادہ کی آرزو بھی نہیں

ٹھہرے ہوئے۔۔۔ جب میں چوتھی بار اس نظم کو دہرانے کرنے لگا۔ تو جہاں لائبہ نے کوفت سے مجھے دیکھا تھا۔ وہیں طاہر نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ لیے۔

"مانا پیرزادہ قاسم نے اپنی خواہش کا اظہار انتہائی خوب صورت لفظوں میں کیا ہے۔ مگر ہمارا کیا قصور ہے۔"

میں خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔

"بائی داوے' آج لہجے میں اتنی مایوسی کیوں ہے؟" وسیم نے کسی نو آموز مصنف کے مسودے سے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

"تم لوگ مجھے کیسا انسان سمجھتے ہو؟" میرے لہجے میں سنجیدگی در آئی۔

"سچ سچ بتاؤں؟" طاہر ہنسا۔

"ہاں۔"

"بھئی' خاصے شریف اور معقول انسان ہو۔" وسیم نے کہا۔

"تو پھر لائبہ مجھ سے اتنا کتراتی کیوں ہے؟"

"کیا مطلب؟" میرے اچانک کہنے پر لائبہ سمیت سب ہی چونک گئے تھے۔

"مطلب یہ۔۔۔" میں نے براہ راست لائبہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ "لائبہ صرف مجھے ہی کیوں اگنور کرتی ہے۔ دو باتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ یا پھر اس کی اس حد درجہ بے نیازی کے عقب میں کوئی اور جذبہ جھانک رہا ہے۔"

میں نے لائبہ کی آنکھوں میں غصے کی اٹھتی لہر دیکھی۔

"تم وسیم اور طاہر کی نظر میں تو شریف اور معقول انسان ہو سکتے ہو۔ مگر ضروری نہیں کہ یہ رائے میری بھی ہو۔" وہ چبا چبا کر بولی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" کم از کم میں لائبہ سے ایسی کوئی بات نہیں سن سکتا تھا۔

"مطلب یہ کہ تم انتہائی گھٹیا اور جاہل انسان ہو۔" وہ غصے سے بولی تو میں بھی غصے میں آگیا۔ حالانکہ میرا ارادہ اطمینان اور سکون سے ٹھہرنے کا تھا مگر میرا غصہ ہمیشہ کی طرح ایک دم عود کر آیا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے کھڑے ہوتے ہوئے اسے گھورا۔

"تم نے کون سا گھٹیا پن دیکھا ہے میرا؟ دوستی ہی تو کرنا چاہی تھی تم سے۔"

"مجھے کسی فلرٹی شخص کے ساتھ دوستی نہیں کرنی۔" غصہ اگر مجھ میں تھا تو کم وہ بھی نہ تھی۔ پھر جو بات بگڑی تو بگڑتی چلی گئی وسیم نے ہم دونوں کو خاموش کروانے کی بہت کوشش کی اور تھک کر وہی طریقہ استعمال کیا تھا۔ ہم دونوں کو پاس کے ملحقہ کمرے میں دھکیل دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ ہم دونوں ایک دم خاموش ہو کر بند دروازے کو گھورنے لگے۔

"اب تم دونوں ذرا اس بات پر غور کرو کہ تم دونوں نے کس قدر جہالت کا ثبوت دیا ہے۔" وسیم کی آواز آئی تھی۔

"وسیم! دروازہ کھولو۔" لائبہ نے جھنجلا کر کہا۔

"کھول دوں گا۔ مگر ابھی نہیں۔"

"وسیم! شام ہو رہی ہے۔ مجھے گھر جانا ہے۔" وہ سخت غصے میں اور جھنجلائی ہوئی تھی۔ اس کے برعکس میں خاصے اطمینان سے اس کے سرخ چہرے

کو دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد میں دروازہ کھول دوں گا۔ تب تک تم لوگوں کی ایک دوسرے کے بارے میں جتنی بھی الجھنیں ہیں سلجھا لو۔" وسیم نے اطمینان سے کہا اور پھر لائبہ کے بار بار پکارنے پر بھی اس کی کوئی آواز نہیں آئی تھی۔

"لائبہ! بیٹھ جاؤ۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" وہ غصے میں پھنکاری۔

"ہاں۔" میں نے اپنا جرم تسلیم کر لیا۔ وہ غصے میں مجھے فلرٹی' جاہل' عیار قرار دیتی رہی اور میں اسے تنک چڑھی' سنگدل اور ڈرامے باز کہتا رہا قصداً! اس کا اور اپنا غصہ نکالتا تھا اور ٹھیک پندرہ منٹ کی دوبدو جنگ کے بعد ایک وقت وہ آیا جب میری بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ وہ کچھ لمحے مجھے گھورتی رہی۔ پھر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کو وہ رخ بدل گئی۔ تب میں نے کمرے میں موجود واحد کرسی اسے پیش کی اور خود اس کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہوئے شروع ہو گیا۔ اپنے پہلے احساس سے لے کر آخری حماقت تک سب کچھ سنایا۔ وہ حیرت و بے یقینی سے مجھے دیکھتی رہی اور ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد جب وسیم نے دروازہ کھولا۔ تو ہم گہرے دوست بن چکے تھے۔

اس نے تھک کر قلم رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔

"تایا تو پوچھ رہی ہیں۔ آپ نے کھانا نہیں کھانا؟" ہنی کی آواز پر وہ چونکا۔ ہلکے نیلے کڑھائی والے سوٹ میں وہ خفا خفا سی پوچھ رہی تھی۔ ارمغان کو یاد آیا۔ جب اس کی لائبہ کے ساتھ صلح ہوئی تھی۔ تو وہ ہنی کو شاپنگ کے لیے لے گیا تھا۔

"آپ کو کھانا نہیں کھانا تو ہم لوگ کھالیں۔" وہ لٹھ مارنے والے انداز میں بولی۔

"میری بلا سے زہر کھالو۔"

"زہر کھائیں میرے دشمن۔"

وہ تلملا کر پلٹی۔ ظاہر ہے اس وقت ارمغان سے بڑا دشمن کون تھا اس کا "وہ کھڑاک" سے دروازہ بند کر کے بگٹٹ وہاں سے بھاگی تھی۔

"ایڈیٹ۔۔۔!" وہ کچھ لمحے اپنے کھولتے دل و دماغ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ اور پردے ہٹا دیے۔ بنفشی شام کے رنگ دھرتی پر بکھر رہے تھے اور ارمغان کی نگاہوں میں آج سے دو سال قبل سمندر کے کنارے گزری اک ایسی ہی رنگوں بھری شام جاگ اٹھی۔ جہاں ریگ ساحل پر بچھی ہوئی سبز موجیں 'لرزتی شام کی زرد چمکیلی دھوپ کو چھو رہی تھیں۔ دور سمندر کے اونچے پانیوں پر ڈولتی کشتی کا بادباں شام کے بنفشی رنگوں میں رنگ گیا تھا اور یہی شام آسمان کی ہتھیلیوں پر اتر کر اسے حنائی رنگ دے گئی تھی اور یہی شام لائبہ کے انکھار پر بھی اتری تھی۔ نم ہوا کے جھونکے اس کے مہکتے تن سے ٹکرا کر ارمغان کے آس پاس بکھر رہے تھے ارمغان پلٹا اور اس کا قلم اسی شام کو لکھنے لگا تھا۔

"اے لائبہ!" میں نے اپنے گرد بکھرے اس خاموش طلسم کو توڑنے کی سعی کی۔

"ہوں۔" اس شام کا طلسم لائبہ کو مسحور کر گیا تھا۔ ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ سجائے اس کی نگاہیں وہاں تک سفر کر رہی تھیں۔ جہاں بادبانی کشتی دھیرے دھیرے ڈول رہی تھی۔

"خدا نہ کرے کہ کبھی کوئی ایسی شام آئے جب میں تمہارے سورج کو غروب ہوتا دیکھوں۔" میرے لہجے میں اک نامعلوم سا خوف ڈول رہا تھا۔

"فرض کرو اگر کوئی ایسی شام آ گئی تو؟" وہ مجسم لہجے میں پوچھنے لگی۔ میں نے ذرا سا جھک کر اس کی کانچ سی آنکھوں میں جھانکا۔ پھر جارحانہ انداز میں بولا۔

"جانتی ہو پھر کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا؟"

"پھر یہ سورج نہیں ڈوبے گا۔"

"امپاسبل' ہمارے جیسے کئی آئے اور گئے۔ سورج کا طلوع و غروب تو یونہی جاری رہے گا۔" اس کے

لہجے میں خفیف سی شرارت جاگی تھی۔

"تو پھر اسے دیکھنے کے لیے ارمغان نہیں ہو گا۔"

"مطلب؟"

"اسٹوپڈ گرل۔" میں پتھریلی دیوار سے کود کر نیچے اترا۔ "اس دن میں خود کشی کر لوں گا۔"

"کیسے؟" وہ ترنگ میں آ گئی۔

"ایسے۔" میں نے دونوں بازو پھیلا کر سمندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ پھر ایک دم رک کر اس کی طرف پلٹا۔

"لیکن میں کیوں؟"

"مجھے تمہاری محبت کا ثبوت چاہیے۔" وہ مجسم شریر لہجے میں گویا ہوئی۔

"مجھے بھی تو چاہیے۔" میں نے اسے کھینچ لیا۔ کتنا دل چاہتا تھا۔ میں اس کے سنگ زمین کا آخری کنارا بھی چھو آؤں۔ زندگی کتنی حسین و خوب صورت ہو گئی تھی اور ہر خوشی کی انتہا پر کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور رقم ہوتا ہے۔ اس شام میں گھر گیا۔ تو انکل احتشام کی ڈیڈ باڈی گھر میں رکھی تھی اور اک کہرام مچا تھا۔ وہ زندگی سے بھرپور چھوٹی سی لڑکی رو رو کر نڈھال ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا سر تھپتھپایا تو وہ مجھ سے لپٹ کر سسک اٹھی۔

"مان بھائی! پاپا مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔"

پہلے پھپھو اور اب احتشام انکل وہ تنہا ہو گئی تھی۔ ہم لوگ اسے اپنے گھر لے آئے۔ یوں بھی اب وہاں اس کا اپنا تھا بھی کون اس کے چچاؤں کے اپنے بچے' اپنی لائف تھی۔ ان لوگوں نے بخوشی ہنی کا سامان پیک کر دیا۔ اس کی بیسٹ فرینڈ اور اس کے چھوٹے چچا کی بیٹی مالا اس سے لپٹ کر کتنا روئی تھی۔ میں نے بمشکل انہیں الگ کیا۔

"ہنی کوئی زیادہ دور تو نہیں جا رہی۔ جیسے پہلے ہم سے دن میں دو دو بار ملنے آیا کرتی تھی۔ ویسے ہی تم سے ملنے آئے گی۔" میں نے پیار سے سمجھایا تو وہ آنسو پونچھ کر اسے وہ چیزیں یاد دلانے لگی جو انہیں ساتھ لے جانی تھیں۔

دادی جان اور دادا۔۔۔ شاید کچھ لوگ اس دنیا میں دکھ اٹھانے کے لیے آتے ہیں۔ اپنی اولاد اور پیاروں کی جواں مرگی نے انہیں زندہ درگور کر دیا تھا۔ پہلے بیٹا اور بہو پھر بیٹی اور اب داماد۔

میرا اور ہنی کا دکھ تو یوں بھی مشترک تھا۔ سو میں لاشعوری طور پر اس کے بے حد قریب آ گیا تھا۔ تین دن کے بعد مجھے لائبہ کی خفگی کا خیال آیا۔ دادی جان اور آپا جو اس حادثے کے موقع پر آئی تھیں کمرے میں تھیں۔ دادا جان سارا سارا دن گھر سے باہر گزارتے تھے۔ ہنی نجانے کہاں تھی۔ میں نے نمبر ملایا لائبہ ہی نے ریسیو کیا تھا۔

"کہاں ہو ارمغان؟" اس کے لہجے کی بے تابی مجھے سرشار کر گئی۔ کبھی یہ بے تابی صرف میرے لہجے میں چھلکتی تھی۔ "کم از کم بتا تو دیا کرو ارمغان!"

"حادثے تو بتا کر نہیں ہوتے۔"

"کیا ہوا؟" وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ میں نے اسے مختصراً بتایا۔

"میں نے اسے دیکھا ہے۔ بہت پیاری بچی ہے اور اتنا بڑا دکھ تم اس کا خیال رکھنا۔۔۔"

"ارمغان۔ ارمغان!" آپا مجھے پکار رہی تھیں۔

"او کے لائبہ! پھر بات کریں گے۔" میں نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ پھر بہت سے دن گزر گئے ہنی ایک دم چپ ہو گئی تھی۔ اسکول جاتی' واپس آتی تو کمرے میں بند ہو جاتی۔ چاکلیٹ' سائیکلنگ' آپا کا بنانا ملک' اسے کسی چیز میں دلچسپی نہ تھی۔ دادی جان اسے دیکھ دیکھ کر روتیں اور میں کڑھا کرتا۔ آپا کچھ دن رہ کر چلی گئیں تو وہ جو ہنسی کی کھلکھلاہٹوں نے تھوڑی بہت گھر کی فضا بدلی تھی۔ پھر سے سنسان ہو گئی۔

"ہنی! تم مسکراتی کیوں نہیں ہو۔"

اس نے اپنی بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر سر جھکا کر بولی تھی۔

"دل نہیں چاہتا مان بھائی۔"

"ادھر آؤ میرے پاس۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔ "دیکھو گڑیا! یہ جو زندگی ہے نا یہ بس

ایسی ہی ہے۔ جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے وہ ہو جاتا ہے۔"

"لیکن میرے ساتھ ہی کیوں؟" وہ قسمت سمیت سب سے خفا تھی۔

"صرف تمہارے ساتھ۔" میں نے اس کی معصوم نگاہوں میں تیرتی خفگی کو دیکھا۔ "تم تو بہت خوش قسمت ہو ہنی! تمہارے پاس اپنے پاپا اور مما کو یاد کرنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ کچھ عرصہ ہی سہی، مگر وہ تمہارے پاس رہے تو۔ تم نے ان کا پیار سمیٹا، ان کی آوازیں سنیں، ان سے لاڈ اٹھوائے۔ تمہارے پاس تو بہت بڑا خزانہ ہے۔ ذرا اپنے مان بھائی کو دیکھو، ان کے پاس کیا ہے۔ نہ باتیں، نہ یادیں، نہ آوازیں، بس کچھ بے جان تصویریں، کیا وہ میری تشفی کر سکتی ہیں؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میری ممی کیسے مسکراتی تھیں۔ میرے بابا کی آواز کیسی تھی۔ پھر بھی دیکھو کیا تم نے کبھی مان بھائی کو روتے دیکھا۔ وہ اللہ کی امانتیں تھیں۔ اس نے واپس لے لیں اور میں اس بات پر شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے پاس دادی اور دادا ہیں اور ہنی تمہارے پاس تو مان بھائی بھی ہیں۔ جن کے سامنے تم رو سکتی ہو، اپنے سارے پرابلمز شیئر کر سکتی ہو۔"

ہنی کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت سی حیرت تھی۔

"تو ہم بہت اچھے دوست بن جائیں۔ پھر تم اپنی ساری فیلنگز میرے ساتھ شیئر کیا کرنا او کے۔"

"یس۔" وہ بے اختیار بولی تھی۔

"تو پھر آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔" اس شام ہم بہت دیر تک باہر گھومے تھے۔ بار بار آئسکریم کھائی تھی۔ ہنی کو میں نے ٹینس ریکٹ اور جنون کا نیا البم دلایا اور بہت دنوں بعد اسے کھل کر ہنستا دیکھ کر میں مطمئن ہو گیا تھا مجھے کیا معلوم تھا میری ہنی کے لیے یہ بے ضرر سی چاہتیں اور محبتیں لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اور ہی رنگ لائیں گی۔ ہمارے فائنل ایگزام نزدیک تھے۔ سو میں سب کچھ نظر انداز کیے اپنے امتحانوں کی تیاری میں مگن ہو گیا۔

"کیا ناپ کرنے کا ارادہ ہے؟" لائبہ میرا انہماک دیکھ کر چھیڑتی۔

"یہی سمجھ لو۔ آخر تمہارے پاپا کے سامنے پکچر تو بن کر جانا ہے۔ وہ تو کہہ دیں گے۔ فیکٹری تو تمہارے دادا کی ہے۔ تم کیا کرتے ہو۔" اس نے یہ بات ایک بار مذاق میں کی تھی۔ میں نے پکڑ ہی لی۔

"تمہارے ساتھ زندگی گزارنی بہت مشکل ہو گی۔ تم تو بات کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔" اس نے بالوں کو مخصوص انداز میں جھٹکا دیا۔

"سنو یار! وہ، یہ اپنا ہیلو پامسٹری سیکھ گیا ہے۔" وسیم نے ہمارے پاس آ کر اعلان کیا۔ ہیلو واک آؤٹ کرنے والا تھا مگر میں نے اسے کھینچ لیا۔ اس کے گول مٹول صحت مند چہرے کی بنا پر سب سہیل کو ہیلو کہہ کر چھیڑتے تھے۔ جس پر وہ خاصا چڑتا تھا۔

"میرا ہاتھ دیکھو۔" میں نے فوراً اس کے سامنے ہتھیلی پھیلا دی۔

"پوچھو کیا پوچھنا ہے۔" وہ شاہانہ انداز میں بولا۔

"اس کی لیلیٰ کب ملے گی۔" کسی نے لقمہ دیا۔

"مجھے میری محبت کب ملے گی۔" میں نے آرام سے پوچھا۔ لائبہ نے مجھے بری طرح گھورا۔ باقی سب بری طرح چیخے تھے۔ سہیل نے بہت غور سے میرے ہاتھ کی لکیروں کو کھوجا۔ پھر مایوسی سے سر ہلایا۔

"تمہاری لکیریں کٹ گئی ہیں۔" اس نے ناخن سے میری ہتھیلی پر لکیر کھینچی۔ میں نے اپنی انگلیوں کو سمیٹا اور دوسرے پل میرا مکا اس کی ناک پر لگا تھا۔ سب ششدر رہ گئے اور میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے غائب ہو گیا۔

بعد میں لائبہ نے میرے خوب لتے لیے تھے۔

"کیوں ذرا سی بات پر اپنا ٹمپر لوز کر بیٹھتے ہو۔"

"بس اب بہت ہو گیا۔ میں آج ہی گھر میں بات کرتا ہوں۔ ہماری انگیجمنٹ ہو جانی چاہیے۔ شادی ایگزامز کے بعد ہوتی رہے گی۔"

"اچھا اور جو میرے پاپا نے پوچھ لیا کہ لڑکا کیا کرتا ہے تو۔" اس نے کہا تو میں نہ چاہتے ہوئے بھی

ساختہ مسکرایا تھا۔

"یہ بہت پرابلم ہے۔ اب تو کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا ہی ہو گا۔"

دروازہ ایک بار پھر سے کھلا تھا اور اس پر بار بار اک خوب صورت خواب سے جاگنے والی کوفت طاری ہو گئی تھی۔

"کیا پرابلم ہے تمہیں؟" اس نے بے حد چڑ کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں مجھے کپڑے لینے تھے۔" ہنی اس کے لہجے پر گھبرا گئی۔

"بہتر ہے کہ سارے کپڑے یہاں سے لے جاؤ۔"

"نانو سے پوچھوں گی۔" اس نے آہستگی سے کہہ کر وارڈ روب کھولی۔ پھر سوٹ نکال کر چلی گئی۔ کچھ بھی تھا اس کا یہ رویہ اس کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔

وہ دوبارہ لکھنے لگا تھا۔

مجھے لگا۔ وہ کچھ الجھی الجھی کچھ پریشان سی ہے۔ میں نے کئی بار اس سے پوچھا۔ مگر وہ ٹال گئی۔ مگر اس کے ساتھ کچھ پرابلم تھی۔ جو اسے ڈسٹرب کر رہی تھی۔ وہ ہم میں موجود ہوتے ہوئے بھی کبھی ہمارے درمیان نہ ہوتی۔ پروفیسرز لیکچر دے کر چلے جاتے اور اس کی نوٹ بک کے صفحات سفید کے سفید رہ جاتے۔

"لائبہ! کیا بات ہے، کوئی پرابلم ہے۔"

"نہیں تو۔" وہ نوٹ بک پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی رہی۔

"کوئی پریشانی ہے تو شیئر ہی کر لو۔" وہ کچھ لمحے مجھے دیکھتی رہی پھر مسکرا دی۔

"یونہی وہم ہے تمہارا۔ کیا پریشانی ہو گی۔"

"شیور۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی تھیں۔

"ہاں۔ چلو کہیں چلتے ہیں۔" اس نے پہلی بار کہا تھا۔ ہم دونوں ساحل پر نکل آئے۔

"ارمغان! فرض کرو زندگی کے کسی لمحے میں بہت سالوں کے بعد تمہیں اچانک احساس ہو کہ تم جس ایک محبت کے پیچھے خوار ہوئے ہو۔ وہ تمہارے لیے اتنی اہم نہیں اور وہ محض اک جذباتی غلطی تھی تو تم اس محبت کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

اس نے اچانک پوچھا اور اس کا سوال اور لہجہ دونوں بہت عجیب تھے۔

"محبت کوئی چیز تو نہیں، جو باسی ہو جائے تو اٹھا کر پھینک دی جائے۔ ہر گزرتا لمحہ جذبوں کے رنگ کچھ اور گہرے کر دیتا ہے اور محبت جتنی پرانی ہو اتنی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ کسی پرانے برگد کے درخت کی طرح جس کی جڑیں زمین کے اندر، اندر بہت اندر تک چلی جائیں۔ محبت مضبوطی ہے کمزوری نہیں۔" یہ میرا نقطہ نظر تھا۔

"اور اگر کچھ محبتیں مل کر ہمیں کمزور کر دیں، ہار دینے پر مجبور کر دیں تو۔" نجانے وہ کیا پوچھنا چاہتی تھی۔ میں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"کون سی محبتیں؟"

"محبت کی کوئی ایک شکل تو نہیں ہوتی۔ یہ کئی رشتوں میں بٹ کر اپنی شکل بدل لیتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ ایسی کوئی بھی محبت ہمیں راستہ بدلنے پر مجبور کر سکتی ہے اور اگر ایسی کوئی محبت راستے میں حائل ہو تو بھی مجھ میں اتنا حوصلہ ہے میں اس محبت کو ٹھکرا سکوں۔" میرے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

لائبہ اک طویل سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔

"چلو گھر چلتے ہیں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اور میں نے سوچا تھا۔ میں جلد ہی گھر میں بات کروں گا۔ مگر چند دنوں کے بعد ہی دادا جان نے مجھے ساتھ لیا تھا اور ہم دونوں چرچ روڈ کی طرف نکل گئے اور یہیں میں نے لائبہ مراد کو پہلی بار دیکھا تھا۔ میرے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ جاگی۔

"شادی کے بارے میں کیا ارادہ ہے برخوردار۔" دادا جان کی لاٹھی کی زد میں آ کر ایک کنکر اڑتا ہوا دور جا گرا۔ اور میرے لبوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو

گئی۔

"خاصا نیک خیال ہے۔" میں نے کان کھجاتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"ہم ــــ میں اور تمہاری دادی چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی کر دیں۔"

میرا دل قہقہے لگانے کو چاہا۔ مگر بات کیونکہ ان کی طرف سے شروع ہوئی تھی۔ سو قدرے سنجیدگی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولا تھا۔

"اتنی جلدی کیا ہے دادا! میری اسٹڈیز تو مکمل ہوں۔"

"جلدی ہے۔" دادا کا لہجہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھا۔ "تم نے دیکھا یہ زندگی اور موت کا کھیل کتنا عجیب ہے۔ ہم نے زندگی میں بہت کچھ کھویا ہے ارمغان! مگر خدا کا شکر ہے کہ تم ہمارے پاس ہو اور ہنی۔ ہماری بوڑھی خوشیاں بس تم لوگوں سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہیں۔" وہ کچھ لمحے بالکل خاموش ہو گئے۔ "شاید تمہیں میری بات تھوڑی عجیب لگے۔ مگر غور کرو گے تو اتنی عجیب نہیں لگے گی۔"

"کون سی بات؟" ــــ "میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میں تمہاری اور ہنی کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے ردعمل دیکھنے کو نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں اور میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ میری شادی ہنی سے کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

تب ہی ان کی بات کا مفہوم سمجھے بغیر بول اٹھا تھا۔

"میری تو ٹھیک ہے مگر ہنی تو ابھی بچی ہے میٹرک کا ایگزام بھی نہیں دیا اس نے ابھی۔"

انہوں نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی۔ پھر نظروں کا زاویہ بدل کر بولے۔

"میں تمہاری شادی ہنی کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔"

اور مجھے ایک دم لگا، یہ میرے گرد کھڑے طویل قامت درخت اور پر کو اڑ گئے ہو اور اوپر تنگا آسمان سر پر آگرا ہو۔ میں نے کئی قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بے یقین نگاہوں سے دادا کو دیکھا اور پھر وہاں سے بھاگ آیا۔"

اس سے آگے ارمغان کا دل چاہا کہ وہ قلم کی نوک توڑ دے۔ مگر کیا ایسا کرنے سے تقدیر کا لکھا مٹ سکتا تھا۔ اس نے بے حد تھکے تھکے انداز میں لکھا تھا۔

اور پھر میں ہار گیا، ہاں مجھے ان لمحوں کی اذیت دہرانے کی تاب نہیں۔ مجھے ہارنا تھا۔ میں ہار گیا۔ لیکن مجھے کسی اور نے نہیں لائبہ مراد نے ہرایا ہے۔ کتنا گڑگڑایا تھا میں اس کے سامنے۔

"میرا ساتھ تو دو لائبہ! میں تمہارے لیے ساری دنیا چھوڑ سکتا ہوں۔"

مگر اس کی نم آنکھیں ٹکر ٹکر مجھے دیکھتی رہیں۔

نجانے اسے میری محبت پر اعتبار کیوں نہ آیا کہ وہ کتنے آرام سے کہہ گئی۔

"تم ہنی سے شادی کر لو۔"

میرا دل چاہا میں اسے مار ڈالوں۔ جو بات میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ مجھے اس پر عمل کرنے کو کہہ رہی تھی۔ اس پر میری کسی بات کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔

"اور اب ــــ اب نجانے وہ کہاں جا چھپی ہے۔" شاید میری نگاہوں میں ابھرتے سوال پڑھ لیے تھے اس نے۔

اگر میرے ساتھ چلنا نہیں تھا تو ساتھ چلنے کا بہانا کیوں کیا؟

تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا تو آزما لیا ہوتا۔ یا اگر میرے ساتھ ڈوبنے کا حوصلہ نہ تھا تو سمندر کے سفر پر نکلیں ہی کیوں؟

اگر تمہیں مجھ سے محبت تھی تو میرے ساتھ شادی سے انکار کیوں کیا۔

اگر کبھی ملو لائبہ مراد! تو ان سوالوں کے جواب ضرور دینا۔"

کیا مجھے کسی اور کو سونپ دینا تمہارے لیے اتنا ہی آسان تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"پلیز نانو! آپ مت جائیں۔ آپ تو رک جائیں۔" نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا وہ گھر لوٹا

تو دادی جان پیک تیار کیے بیٹھی تھیں اور ہنی ان کی منتیں کر رہی تھیں۔

"ایسے ہی گھبرا رہی ہو بچی! چند دنوں کی تو بات ہے میں ہفتے بھر کے لیے تو جا رہی ہوں۔" انہوں نے پیار سے پچکارا۔

"آپ بھی جا رہی ہیں۔ دادا بھی جا رہے ہیں۔ میں تو بالکل تنہا ہو جاؤں گی۔ پلیز نانو مت جائیں نا۔" وہ منتجی لہجے میں بولی۔

"اے ہے تنہا کیوں؟ خیر سے ارمغان ہے تمہارے پاس۔"

"ان ہی سے تو ڈر لگتا ہے۔" وہ منمنائی۔

"ڈر کیسا خیر سے شوہر ہے تمہارا۔"

"جانے دو ہنی! کھا نہیں جاؤں گا تمہیں۔" وہ سخت نروٹھے پن سے کہہ کر دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"ان کے حوالے کر کے جا رہی ہیں مجھے۔" ہنی نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"بس ذرا غصے میں ہے۔ تمہیں پتا ہے اس کا غصہ ذرا تیز ہے۔ ورنہ تو بہت پیار کرتا ہے تم سے۔"

"خاک بھی نہیں۔"

"اچھا میں ذرا دیکھتی ہوں اسے۔" دادی اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"میں صدقے۔ میری جان کیوں روٹھے رہتے ہو۔ صداقت علی (دادا کے بھائی) کا فون آیا ہے۔ کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ان کی۔ اسی لیے ذرا گو جرانوالہ جا رہے ہیں۔ ایک ہفتے کی تو بات ہے انشاء اللہ جلد ہی آجائیں گے۔"

"میں سب جانتا ہوں۔ یہ بیماری کا تار بھی اسی پلانگ کا حصہ ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔ دادی کھسیائیں اور پھر صاف مکر گئیں۔

"ہو خوامخواہ ہی۔"

"آپ کچھ بھی کر لیں۔ مگر ان تلوں میں تیل نہیں۔" وہ اٹھرے گھوڑے کی طرح بپھر رہا تھا۔ دادی اک طویل سانس لے کر رہ گئیں۔ تبھی دادا اپنی لمبی چوڑی نصیحتوں کے ساتھ آ گئے۔ وہ بڑے صبر اور بے زاری کے ساتھ سنتا رہا اور جب آخری نصیحت مکمل کی کہ "کبھی کبھی فیکٹری کا چکر لگا لیا کرنا اور ہنی کا خیال رکھنا۔" تو وہ تڑخ کر بولا تھا۔

"ظاہر ہے۔ مجھ پر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو میں ہی خیال رکھوں گا۔ محلے والے تو آنے سے رہے۔"

دادا نے لبوں پر در آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل روکا۔ پھر دادی کو اشارہ کیا تو وہ ان کے پیچھے باہر نکلیں۔

"دیکھ لو میاں! ہم کچھ غلط تو نہیں کر رہے کہیں ــــ" دادی نے پریشان ہو کر پوچھنا چاہا تو دادا ہنس دیے۔

"میں اس کا دادا ہوں۔ اتنا وہ اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ جتنا میں اسے سمجھتا ہوں۔ تم چلو واپس آئیں گے تو سب ٹھیک ہو گا۔"

ہنی نے انہیں بے حد افسردگی کے ساتھ رخصت کیا تھا کہ اپنی خیریت کچھ مشکوک لگ رہی تھی۔

ارمغان نے ان کے جانے کے بعد پہلا کام تو یہ کیا کہ ہنی کو واپس اس کے کمرے میں شفٹ کیا۔ اسے یہ بھی پروا نہیں تھی کہ ملازمہ کتنی مشکوک ہوئی۔ اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"کیوں صاحب جی؟"

تو ارمغان نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا۔ ہنی حیران حیران سی اپنا سامان دوسرے کمرے میں شفٹ کرواتی رہی۔ ارمغان نے بس اتنا ہی کہا تھا۔

"تم ابھی بچہ ہو۔ اس رشتے کی نزاکتوں سے زیادہ اس کی خوب صورتیوں سے متاثر ہو۔ جو کہ ظاہر ہے کیبل کی مرہون منت ہے۔ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ مگر جو میرے ساتھ ہوا ہے۔ وہ اس سے بھی بدتر ہے۔ جب تم کسی قابل ہو جاؤ گی۔ تب فیصلہ کریں گے کہ ہمیں اس رشتے کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔"

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں ــــ" وہ بدمزا ہو کر بے زاری سے بولی۔

"تمہاری سمجھ میں بھی آجائے گا اور خدارا یہ بھڑکیلے کپڑے پہننے بند کر دو۔ مجھے کوفت ہوتی ہے دیکھ کر۔"

"وہ تو بس نانو کے کہنے پر ــــ ورنہ اچھے تو مجھے بھی نہیں لگتے۔" وہ آہستگی سے بولی تھیں۔

وہ فطرتاً نرم مزاج تھا۔ ہنی کی ساری ضرورتوں کا خیال رکھتا مگر رویہ اب بھی وہی تھا' لیے دیے سا رہتا۔ ہنی اس سے بات کرنے کو ترستی۔ اب تو اس کے لہجے کی خونخواری بھی کسی حد تک کم ہو گئی تھی۔ شاید یہ احساس تھا کہ اب اسے رونے کے لیے دادی کی گود بھی میسر نہیں گھر' فیکٹری' یونیورسٹی' اس نے خود کو بے حد مصروف کر لیا تھا۔ ہنی چند دنوں میں اس گھر کے سناٹے سے گھبرا گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"کہاں کھو گئی ہو لائبہ۔؟"

کبھی کبھی وہ بیچ سڑک پر رک کر ایک ایک چہرے کو تکنے لگتا۔ اس کے فلیٹ پر تالا جوں کا توں تھا اور وہ ہر پل لاشعوری طور پر اس کا منتظر رہتا تھا۔ مگر اک مایوسی ہر گزرتے دن کے ساتھ اس پر طاری ہو رہی تھی۔ کھو جانے والے تو مل بھی جاتے ہیں۔ مگر جو دانستہ گم ہو جائیں انہیں کون ڈھونڈے۔

"تم مجھ سے ملنا ہی نہیں چاہتیں۔" کبھی کبھی وہ تلخ ہو کر اس پر الزام دھرنے لگتا۔ اس دن وسیم نے اسے سرسری انداز میں بتایا تھا۔

"لائبہ ایگزامز ہی نہیں دے رہی۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟" اس نے بری طرح چونک کر پوچھا۔

"خود لائبہ نے۔"

"وہ ــــ وہ یہاں آئی تھی؟" ارمغان کے لہجے میں بے تابی سی در آئی۔

"ہیں۔ فون پر بات ہوئی تھی۔"

"کہاں ہے وہ ــــ؟"

"اپنے دو دھیال میں۔"

"کہاں؟"

"یہ تو نہیں بتایا اس نے بس کبھی کبھی فون کر لیتی ہے۔ کہہ رہی تھی۔ موڈ نہیں ہے پیپر دینے کا۔"

"اس کا فون نمبر دو گے مجھے۔" ارمغان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں اس نے کبھی فون نہیں کیا؟" وسیم نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے کہاں وہ اس قابل سمجھتی ہے۔" ارمغان کا لہجہ تلخ سا ہو گیا۔

"نمبر تو اس نے مجھے بھی نہیں دیا۔" وسیم نے سوچتے ہوئے کہا اور سچ ہی کہا تھا۔ مگر ارمغان کو لگا۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ تب ہی تلملا کر اٹھ گیا۔ ہنی کاریڈور کی سیڑھیوں پر بیٹھی لان میں بھاگتے خرگوشوں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" اس کا لہجہ بے حد خراب تھا۔ وہ سہم گئی۔ قدم قدم پر شہ دیتی نانو بھی تو نہ تھی۔

"یونہی بیٹھ گئی تھی۔"

"ایک کپ چائے بنوا دو۔"

"رشیدہ تو چلی گئی۔"

"تمہیں چائے بنانا تو آتی ہی ہو گی۔" اس نے طنزاً کہا۔ پہلے تو ہنی کا دل چاہا۔ وہ صاف انکار کر دے۔ مگر نانو کی نصیحتیں یاد آئیں۔ تو چائے بنانے اٹھ گئی۔ ارمغان نے اپنے کھولتے دل و دماغ کو قابو کرنے کے لیے ایک گولی نیند کی لی اور چائے کے انتظار میں بیڈ پر گر گیا۔ ہنی چائے لے کر آئی تو وہ غنودگی میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

"مان! چائے لے لیں ــــ" ہنی نے اس کا بازو جھنجھوڑا اور کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"رکھ دو ــــ" اس نے تکیہ سر پر رکھ لیا۔

"مان! میں ماہا سے ملنے چلی جاؤں؟"

ارمغان نے سنا نہیں تو وہ پھر سے اس کا بازو جھنجھوڑ کر بولی۔

"مان ــــ!"

اور وہ جیسے بپھر کر چیخا تھا "جہنم میں جاؤ۔"

وہ کچھ لمحے بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی' پھر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں جا گھسی تھی اور چیخ چیخ

کر روتے ہوئے خود سے لڑتی خدا سے شکوہ کرتی رہی اور اسے خاموش کروانے والا کوئی بھی نہ تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

ہنی کی پھپھو اچانک ہی آئی تھیں۔ ہنی کو دیکھ کر حیران ہی رہ گئیں۔

"یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ کتنی بجھی بجھی سی لگ رہی ہو اور یہ کپڑے کیسے پہن رکھے ہیں۔"

ارمغان نے سٹپٹا کر ہنی کو دیکھا۔ وہ حسب معمول جینز اور لانگ شرٹ میں ملبوس 'بکھرے بکھرے بالوں کے ساتھ بیزار بیزار سی دکھائی دی۔ ہنی سے زیادہ وہ شرمندہ ہوا تھا۔

"اور اتنی خاموش کیوں ہو۔ پہلے تو نچلا بیٹھنا نہیں جانتی تھیں۔"

"دادی جان نہیں ہیں' اس وجہ سے کچھ ڈسٹرب ہے۔" ارمغان جزبز ہو کر بولا۔

"کیا تم اس کا خیال نہیں رکھتے؟" انہوں نے ارمغان کو پکڑا۔ اس نے سٹپٹا کر ہنی کو دیکھا تو وہ بول اٹھی۔

"ہاں تو بہت خیال رکھتے ہیں پھپھو۔" اپنا بھرم رکھنا اس نے نانو سے سیکھا تھا۔ ورنہ بابا نے تو ہمیشہ اسے ایک چھوٹی سی بچی سمجھا تھا۔ نانو کی نصیحتیں نہ ہوتیں تو شاید وہ چیخ چیخ کر سب کو ارمغان کے رویے کے بارے میں بتاتی۔ پھوپھو کو جلدی تھی۔ انہیں آج ہی ملتان جانا تھا۔ ان کی نند کی بیٹی کی شادی تھی ورنہ نجانے وہ کیا کچھ جان لیتیں۔

"تمہارے پاس کچھ ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں۔" ان کے جانے کے بعد ارمغان اس پر برس پڑا۔

"پہلے تو یہی پہنا کرتی تھی۔ نانو نے تو بہت بھاری بھاری ڈریس بنوائے تھے۔ وہ پہن لیا کروں۔" وہ روٹھی روٹھی سی بولی کہ خود اس نے ہی تو وہ سب پہننے سے منع کیا تھا۔

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تلملا کر بولا پھر اٹھ کر باہر نکل گیا شام کو آیا تو وہ ٹی وی کھولے بیٹھی تھی۔ اس نے کپڑوں کا شاپر اس کے سامنے پھینکا۔

"یہ لو اور آئندہ اس اول جلول حلیے میں مت نظر آنا۔"

ہنی نے حیرت سے شاپنگ بیگ کو دیکھا' ارمغان اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

"دیکھا چھوٹی بی بی! میں نے کہا تھا نا' ماں صاحب دل کے برے نہیں ہیں۔" ملازمہ نے خوش ہو کر کہا۔ "اب آپ پہن کر ان کو دکھائیں۔ خوش ہو جائیں گے۔"

"مجھے نہیں پہننے۔" اس نے بیزاری سے شاپر پرے کیا۔

"نہ ہنی بی بی اتنے شوق سے لائے ہیں۔"

"کوئی شوق سے نہیں لائے۔ شوق سے لائے گئے گفٹس یوں نہیں دیے جاتے۔ پھینکنے والے انداز میں۔" اسے ارمغان کا انداز بہت برا لگا تھا۔

"تو مردوں کا غصہ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ابھی آپ کو دیکھیں گے تو سارا غصہ بھول جائیں گے۔ انھیں تیار ہو جائیں۔" وہ اس کے بے حد اصرار پر تیار ہو کر اس کے کمرے میں گئی تھی۔

"ہاں۔۔۔ وہ۔۔"

وہ جو ابھی ابھی کتابیں نکال کر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جھنجلا کر چیخ اٹھا۔

"کتنی بار منع کیا ہے' یوں احمقوں کی طرح منہ اٹھائے مت آیا کرو۔"

خفت سے ہنی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ پلٹ کر باہر نکل گئی۔ ارمغان سر پکڑ کر رہ گیا۔ عجیب سی ٹینشن تھی جو ہمہ وقت اس کے اعصاب پر طاری رہتی۔ اس کا دل چاہتا یہ سب چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور بھاگ جائے وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہنی کے ساتھ ایسا سلوک کرے مگر اس کے سامنے آتے ہی وہ مشتعل ہو جاتا۔ ہنی کو دیکھتے ہی اک احساس زیاں اس کے اندر جاگنے لگتا تھا۔

"کاش یہ زندگی اپنے اختیار میں ہوتی یا پھر۔۔ ہوتی۔" اس نے جھٹکے سے کتابیں سامنے سے ہٹائیں۔ پھر باہر نکل آیا۔ حسب معمول وہ کاریڈور کی سیڑھیوں پر بیٹھی بیل سے لپٹی بیل کے پتے توڑ رہی تھی۔ نئے سوٹ کے دوپٹے کا ایک کونہ گود میں تھا۔ باقی سیڑھی پر پڑا تھا۔

"تمہیں کرنے کو کوئی کام نہیں ملتا۔" پانی ہمیشہ ٹیپ میں رہتا ہے۔ وہ اس کے سامنے بے بس تھی۔ سو وہ اپنی ساری ٹینشن اسی پر نکالتا تھا۔ ہنی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ دوپٹہ کھینچ کر کندھے پر ڈالا۔

"پڑھنا نہیں تم نے' اسکول کیوں نہیں جاتی ہو۔" اسے خاموش دیکھ کر ارمغان کچھ اور چڑ گیا۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا۔" بے اختیار ہنی کے منہ سے نکلا۔ "آپ مجھے چاچو کے ہاں چھوڑ آئیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ کتابیں نکال کر دیکھو۔ اگر کوئی پرابلم ہے تو ٹیوشن کا بندوبست کر دوں گا۔"

وہ اسی جھنجلائے ہوئے سخت انداز میں کہہ کر باہر چلا گیا تھا۔ وہ پیر پٹختی اپنے کمرے میں جا گھسی۔

♥ ♡ ♡ ♥

ہنی کے چاچو نے اسے گھر بلا کر بے عزتی کی تھی۔ وہ نہ صرف وہاں جانے پر مجبور تھا بلکہ سب کچھ سننے پر بھی۔ بہرحال اتنی شرافت تو اس میں تھی ہی ہنی صبح اسے بغیر بتائے وہاں چلی گئی تھی۔ اسے تو خبر بھی تب ہوئی۔ جب ان کا ملازم انہیں بلانے آیا اور نجانے اس نے چاچو کو کیا کچھ جتایا تھا کہ وہ اس پر برس ہی پڑے تھے اور وہ سب کچھ سننے پر مجبور سنتا رہا تھا۔

"اگر تم اس کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے تو اس کی ذمہ داری اٹھائی ہی کیوں تھی۔"

"اٹھائی کہاں تھی۔ زبردستی سر ڈالی گئی ہے۔"

"وہ تمہیں پسند نہیں تھی۔ تو شادی سے انکار کر دیتے۔"

"میں تو سرے سے ہی ہنی کی شادی کے خلاف تھا۔"

"عمر کیا ہے اس کی مگر تمہارے دادا اور دادی مصر ہی پیچھے پڑ گئیں۔ ورنہ مجھ پر بھاری نہ تھی ہنی۔" آنٹی گھر پر نہ تھیں' انہوں نے خوب کھل کر اس کے لتے لیے۔

"خدا کا شکر کرو کہ تمہاری آنٹی گھر پر نہیں ہیں۔ ورنہ ابھی پورے خاندان میں ڈھنڈورا پیٹ ڈالتیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ پتا نہیں ہنی نے آپ کو کیا بتایا ہے۔" ارمغان بیزار ہو کر بول اٹھا۔

"اسے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں۔" چاچو نے کڑی نظروں سے اسے گھورا۔ "مجھے تو حیرت اس بات کی ہے۔ سارا گھر یونہی چھوڑ کر وجاہت صاحب گوجرانوالہ جا بیٹھے ہیں نہ کاروبار کی فکر نہ گھر بار کی نہ ہنی کی!"

زیر لب بڑبڑاتے ہوئے انہوں باآواز بلند ہنی کو پکارا تھا۔ وہ مجبوراً وہاں تک آئی۔ ارمغان نے کڑی نظروں سے اسے گھورا۔ ہنی نے گھبرا کر چاچو کو دیکھا۔

"شاباش بیٹا! گھبرانا نہیں' کچھ نہیں کہے گا تمہیں۔" انہوں نے پیار سے ہنی کو ساتھ لگایا۔ وہ تحیر سے انہیں دیکھنے لگی۔

"چاچو مجھے وہاں نہیں جانا۔"

"بری بات' ایسے نہیں کہتے۔۔۔ میں نے کان کھینچے ہیں اس کے اب نہیں تنگ کرے گا۔۔۔" وہ اسے پیار سے نجانے کیا کچھ سمجھا رہے تھے اور وہ تحیر سے سوچ رہی تھی۔

"کیا میرا اب اس گھر پر کوئی حق نہیں اور اگر بابا زندہ ہوتے تو کیا یہ سب سننے کے بعد بھی مجھے اس کے ساتھ بھجواتے۔"

وہ بہت دل گرفتہ سی واپس آئی تھی اور ارمغان گھر آتے ہی اس پر برس پڑا تھا۔ اتنا کچھ تو چاچو نے بھی اسے نہیں کہا تھا جتنا ارمغان نے اسے سنائیں۔ ہنی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے کمرے میں گھس کر جی بھر کر رو لیتی۔

♥ ♡ ♡ ♥

دادا کا فون آیا تھا۔ انہیں نجانے کون کون سے خاندانی معاملات سلجھانے تھے۔ سو ابھی انہیں مزید

وہیں رہتا تھا۔ وہ ان کی چالاکی پر دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔

"یہاں آپ کے بغیر سب خیریت ہے۔" وہ ٹھیک ٹھاک بدلحاظ ہو گیا تھا۔ ہنی کے ساتھ اس کا رویہ ہنوز وہی تھا۔ ہنی اس کے سامنے آنے سے بھی گھبراتی۔ اس کے بلاوجہ کے اعتراضات اور چیختے چنگھاڑتے روپ نے اسے سہما کر رکھ دیا تھا۔ وہ صبح اسکول جاتی، واپس آتی تو کمرے میں ہی گھسی رہتی، خاص طور پر جب ارمغان گھر پہ ہوتا۔ ارمغان بھی کبھی کبھی بے چین سا ہو جاتا۔ وہ سب نہیں چاہتا تھا۔ ہنی کو دکھ دینے کا وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ مگر اب وہ مرجھا گئی تھی۔ نانو کا فون آتا تو رو رو کر واپس آنے کا کہتی۔ مگر نجانے کیوں نانو پر اس کے آنسوؤں کا کوئی اثر ہی نہ ہوتا۔ چاچو کی طرف سے تو اتنی بدظن ہوئی تھی کہ پھر کبھی گئی ہی نہیں۔ بس چاچو ہی کبھی کبھار آ کر اس کی خیریت دریافت کر جاتے تھے۔ وہ بھی کھڑے کھڑے۔

وہ فیکٹری سے واپس آ رہا تھا جب بلا ارادہ ہی گاڑی کا رخ "جواں ادب" کے دفتر کی طرف کر دیا۔ کتنے ڈھیر سارے دن گزر گئے تھے۔ وہ عملاً "ان" سے کٹ چکا تھا۔ آج اک انجانی طاقت تھی جو اسے کھینچ لائی۔ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر ایک کمرے پر مشتمل دفتر کتنی خوب صورت اور انمول یادیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔ کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے جب یہیں اس نے محبت کی پہلی تحریر لائبہ کی آنکھوں میں رقم کی تھی۔

یہیں اس نے تاعمر ساتھ چلنے کا وعدہ لائبہ کے آنچل سے باندھا تھا۔

یہیں اس نے محبت کو رفاقت بنانے کی خواہش لائبہ کی آنکھوں میں پیدا کی تھی۔

نجانے کیوں ارمغان کو لگا وہ سب یک طرفہ تھا۔ شاید شک اور بدگمانی یونہی واقعات کا مفہوم بدل دیتی ہے۔

ارمغان نے دروازہ کھولا۔ پہلا قدم اندر رکھا اور پھر ساکت ہو گیا۔

وہ اس کی محبت کا خوب صورت چہرہ تھا جو اس کی نگاہوں کی زد میں تھا۔

ارمغان نے سر جھٹک کر خود کو کسی خواب کے سحر سے آزاد کرانے کی سعی کی۔ مگر سارا منظر جوں کا توں تھا۔ وہ عین اس کی نگاہوں کے سامنے ٹیبل پر ہاتھ رکھے ذرا سا جھکی وسیم کے سامنے رکھے کاغذ پر پنسل سے نشان لگا رہی تھی۔ اس نے اسی زاویے میں جھکے جھکے کسی کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کیا۔ پھر اسی طرح ساکت ہوئی تھی۔

کسی نامعلوم احساس پر وسیم نے چونک کر پہلے لائبہ، پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں پلٹ کر ارمغان کو دیکھا۔

"بہت موقع پر آئے ہو ارمغان۔" وہ خوش دلی سے کہتے ہوئے اٹھا۔ وہ دونوں بری طرح چونکے۔

"تم تو ہمیں بھول ہی گئے یار۔" وہ اس سے گلے ملتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کون جانے، کون کس کو بھولا۔" ارمغان نے وسیم کے کندھے کے اوپر سے لائبہ کو دیکھا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے رخ بدل گئی۔

"کیسی ہو لائبہ؟" ارمغان گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

"ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟" لائبہ نے آہستگی سے پوچھا۔ وہ دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے کچھ مضطرب سی نظر آ رہی تھی۔

"مجھے کیسا ہونا چاہیے تھا؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔ لائبہ نے جواب نہیں دیا۔ رخ بدل کر میز سے پیپر اٹھا کر رول کرنے لگی۔

"بہت اچھا موقع ہے۔ لائبہ بھی موجود ہے۔ ارمغان جو گلے شکوے ہیں ابھی کر لو ورنہ پہلے کی طرح اسٹور میں بند کر دوں گا۔" وسیم نے ہنستے ہوئے دی۔ لائبہ قصداً مسکرائی۔

"اس کی ضرورت نہیں اور ہم میں کوئی گلہ بھی نہیں ارمغان سے۔" وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی اعتماد سی لائبہ تھی۔ "یونہی مصروفیت میں تم سے

نہ رکھ سکی۔ مگر میں آنس کی ہنی سے ملنے کیسی ہے وہ؟"

"اچھی ہے۔۔۔" ارمغان جانتا تھا' وہ کبھی نہیں آئے گی۔ وہ محض وسیم کے سامنے پوز کر رہی تھی۔

"تو کھڑی کیوں ہو' بیٹھو ناں میں چائے منگواتا ہوں۔"

"نہیں آج کچھ جلدی میں ہوں پھر سہی' ارمغان! ہنی کو میرا اسلام کہنا۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ ایک بار بھی پلٹ کر ارمغان کو نہیں دیکھا۔ ارمغان گم صم سا ہو گیا۔

"ارمغان!" وسیم نے پکارا تو وہ چونک گیا۔

"ہوں۔"

"میں نے لائبہ کو پرپوز کیا ہے۔" وسیم بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا اور ارمغان کی رگیں تن گئیں۔ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیاں اضطراری انداز میں مڑ گئیں۔

"اس نے۔۔۔ اس نے کیا کہا۔" وہ بمشکل خود کو پوچھنے پر آمادہ کر پایا۔

"ہنی ہوپ' وہ انکار نہیں کرے گی۔" وسیم کا لہجہ پر یقین تھا۔ اور ارمغان کا دل چاہا وہ یہ مکا اپنے ہی منہ پر دے مارے اس لڑکی سے محبت کا دعویٰ تھا اسے جو اتنی آسانی سے اسے فراموش کر گئی۔ جیسے ارمغان کوئی جیتا جاگتا وجود نہیں۔ اک بے جان شے تھا۔ جو اس کے پاس ہے نہ رہے۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"میں چلتا ہوں۔" میز پر ہتھیلی کا دباؤ ڈال کر اس نے اپنا غصہ یا شاید دکھ ضبط کرنے کی کوشش کی۔

"ارے ابھی تو آئے ہو تم۔"

"کچھ کام یاد آ گیا ہے۔" وہ اسے بنا خدا حافظ کہے باہر نکل گیا۔ حسب توقع وہ اسے بس اسٹاپ پر مل گئی تھی۔ اپنے بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتے ہوئے اس کی نگاہیں اک غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔ ارمغان کی گاڑی عین اس کے پاس آ کر رکی۔ لائبہ نے چونک کر سر اٹھایا پھر پلکیں جھکا لی تھیں کہ آنکھیں دل کی ترجمان ہوتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی۔ ارمغان اس کے دل پر لکھی تحریر پڑھے۔

"ساتھ چلنے کو نہیں کہوں گا کہ تمہاری منزل کوئی اور ہے بس ایک سوال کا جواب چاہیے۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت تھی تو تم نے شادی سے انکار کیوں کیا جبکہ میں تمہاری خاطر سب ہی کچھ چھوڑنے کو تیار تھا۔"

لائبہ بالکل خاموش رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے اس کے جواب کا منتظر رہا تھا۔ پھر مایوس سا ہو کر چلا گیا۔ لائبہ نے سر اٹھا کر دور جاتی اس کی گاڑی کو دیکھا۔ پھر آنکھوں میں در آئی نمی کو چپکے سے انگلیوں کی پوروں میں جذب کیا تھا۔

"کیوں۔۔۔ کیوں ہوا میرے ساتھ ایسا؟ کیوں کھایا میں نے اتنا بڑا دھوکا اور میں اب بھی منتظر تھا کہ وہ آئے گی تو شاید۔۔۔ مگر نہیں میں ہی احمق تھا۔"

اس نے کمرے کی ایک ایک چیز توڑ دی تھی۔ کتنے ضبط سے وہ گھر لوٹا تھا۔ مگر اس کا جذباتی پن اب اشتعال اور غصے میں بدل گیا تھا۔

وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ہنی اپنے لئے چائے بنا کر کچن سے باہر آئی تھی۔ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ کئی سیڑھیاں پھلانگتا اس کے سامنے آیا۔

"یہ صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"ہم۔۔۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔" اس کی سرخ آنکھیں اور بپھرا ہوا انداز اسے لرزا گیا۔

"نہ تم ہمارے درمیان آتیں اور نہ وہ یہ سب کرتی۔۔۔ تم۔"

"مان۔۔۔!" اس نے سہم کر کچھ کہنا چاہا۔

"بھاڑ میں گیا مان۔" ارمغان نے بپھر کر ہاتھ مارا۔ گرم چائے کا مگ اس کے ہاتھ میں الٹ گیا۔ مگ کی کرچیاں اس کے پیروں میں بکھریں اور گرم چائے اس کے ہاتھ اور پاؤں کو جلاتی چلی گئی۔ اسے ایک دم چیخنا چاہیے تھا۔ مگر اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی۔ چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ اور وہ اسے ساکت

نظروں سے دیکھتی دیوار سے جا لگی تھی۔ ایک جامد اور بے جان تاثر اتنے شدید غصے اور اشتعال میں بھی ارمغان کو کسی غیر معمولی صورت حال کا احساس ہوا تھا۔ وہ ایک دم چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چپ چہرے پر کوئی ایک تاثر بھی زندہ نہ تھا۔ بس اس کے لب تھے جو سوکھے پتوں کی طرح لرز رہے تھے۔

"ہنی!۔" ارمغان نے اس کا بازو تھام کر ہلایا۔ تو درد کی تیز لہر نے اسے جھنجھوڑ دیا۔ اس کی ساکت آنکھوں میں تکلیف کی شدت جاگی۔ دوسرے پل وہ اپنا بازو چھڑا کر اندر بھاگی۔

"ہنی۔۔۔!" ارمغان اس کے پیچھے لپکا۔ مگر اس نے کمرے میں گھس کر دروازہ لاک کر لیا تھا۔

"ہنی! دروازہ کھولو۔" ارمغان کا سارا جنون نجانے کہاں گم ہو گیا۔ بس اک احساس تھا کہ وہ تکلیف میں ہے۔ کمرے سے ہنی کی سسکیوں اور آہوں کی آواز میں آنے لگیں۔ وہ رو رہی تھی اور تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"ہنی گڑیا! دروازہ کھولو۔ فار گاڈ سیک' دروازہ کھولو۔"

وہ کھٹکھٹا کھٹکھٹا کر تھک گیا اور وہ روتے روتے بے حال ہو گئی۔

"ہنی پلیز! جو چاہو سزا دے لو۔ مگر خود کو یوں تکلیف مت دو۔ تمہیں درد ہو رہا ہے۔" وہ ملتجی لہجے میں پکار رہا تھا۔

دروازہ اک جھٹکے سے کھلا۔

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے تو آپ کو کیا۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔"

"ہنی!" ارمغان نے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا مگر وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کچھ نہیں لگتی میں آپ کی۔ آپ کو تو نفرت ہے نا مجھ سے' آپ تو یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ میں اس گھر میں رہوں۔ آپ نے ہی تو کہا تھا میں تمہارا دوست ہوں' اپنی ساری پرابلمز مجھ سے شیئر کرنا۔ کہاں ہے وہ مان جن سے میں اپنی پرابلمز شیئر کیا کرتی تھی۔ آپ تو وہ نہیں ہیں آپ سے تو ڈر لگتا ہے مجھے۔ میں نے کتنا چاہا کہ آپ کو بتاؤں۔ مجھے راتوں کو ڈر لگتا ہے مجھے رات رات بھر نیند نہیں آتی۔ مگر آپ نے مجھے ہر بار دھتکار دیا۔ اتنی نفرت تھی آپ کو مجھ سے۔۔۔" وہ بے تحاشا روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہنی! پلیز میری بات سنو۔"

"ہنی۔۔۔!"

"ہٹ جائیں۔ مت پاس آئیں میرے۔ بہت ظالم ہیں آپ۔۔۔" وہ دیوار سے جا لگی اور وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ "آپ نے تو مجھ سے میرا مان بھی چھین لیا۔ مجھے تو زندہ ہی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ کاش میں پاپا کے ساتھ ہی مر جاتی۔ پاپا' پاپا آپ کیوں چلے گئے؟"

یہ وہ لڑکی تھی۔ جس کی آنکھ میں وہ کبھی ایک آنسو بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ جو کبھی پیار سے اسے مان کہتی تو اس کا دل اس کا مان بن جانے کو چاہتا تھا۔ جو کبھی وہ اداس ہوتی تو اس کا بس نہ چلتا کہ کہاں سے کوئی ایسی خوشی خرید لائے جو اس کی اداس آنکھوں میں مسکراہٹیں بھر دے۔ آج وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔ صرف اس کی وجہ سے۔ وہ بے اختیار آگے بڑھا اور اسے کھینچ کر اپنے سینے میں بھینچتے ہوئے خود بھی رو دیا تھا۔

"آئی ایم ساری ہنی!۔"

اور وہ کچھ اور شدتوں سے روئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

ابھی کچھ دیر پہلے رات نے پلکیں جھکائی ہیں
مری مٹھی میں اب تک
رات کی پلکوں سے ٹوٹے کچھ ستارے ہیں
دکھوں کے استعارے ہیں
میں ان کو دیکھتا ہوں تو!
تو میری آنکھوں میں ڈھیروں خواب
تعبیروں کے دکھ میں کوئی چہرہ سوچتے ہیں
اور وہ چہرہ شناسا سا
کئی چہروں میں تبدیل ہوتے ہیں
پھر ان چہروں سے یادوں کے کئی منظر ابھرتے ہیں

نظر میں رقص کرتے ہیں
وہ چہرے جو مری تنہائیوں کے اشک پارے ہیں
مجھے ہر حال میں خود سے بھی پیارے ہیں
سب ہی چہرے تمہارے ہیں

"اور آج تم نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے تم سے شادی سے انکار کیوں کیا۔

نہیں تم نے یہ نہیں پوچھا تم نے تو یہ کہا کہ اگر اگر مجھے تم سے محبت تھی تو میں نے تم سے شادی سے انکار کیوں کیا۔

"اگر" شک کا نوکیلا کانٹا تھا جو تمہارے بیگانہ لہجے نے میرے دل میں گھونپ دیا اور اسی تین حرفی لفظ "اگر" نے مجھے تم سے شادی سے انکار کرنے پر مجبور کیا تھا۔

نہیں سمجھے۔

تو میں سمجھاتی ہوں۔

میں نے ارمغان حیدر کو وہیں چرچ روڈ پر دیکھا تھا۔ میری خالہ زاد بسن ارم کی شادی تھی اور خالہ نیویارک سے یہاں صرف اپنی بیٹی کی شادی کے لیے آئی تھیں اور وہ خود ہمارے فلیٹ پر آکر ہمیں مدعو کر کے گئی تھیں۔ اک طویل عرصے تقریباً" بیس برس کے بعد ممی خالہ سے ملی تھیں اور میں اپنی کزنز ارم اور فائقہ کے ساتھ" فائقہ کے ساتھ تو میری فوراً" ہی دوستی ہو گئی تھی۔ سو ہم لوگ پاپا سے اجازت لے کر خالہ کے لیے عارضی طور پر لیے گئے گھر میں شفٹ ہو گئے۔ وہی گھر خالہ نے خرید کر ارم کے نام کر دیا تھا۔ جہاں وہ اب اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔ میں اور فائقہ اکثر شام ڈھلے سارے ہنگاموں سے نظر بچا کر واک کے لیے چرچ روڈ کی طرف نکل آتے تھے۔ مجھے یہاں کی ٹھنڈک آمیز پر سکون فضا بہت پسند تھی۔

"تم واپس چلی جاؤ گی فائقہ! تو میں تمہیں بہت مس کروں گی۔" سرخ پھولوں کا گچھا توڑتے ہوئے میں نے فائقہ سے کہا۔ ان چند دنوں میں وہ مجھے کتنی عزیز ہو گئی۔

"میں بھی، لیکن واپس تو جانا ہے نا۔ ابھی تو میری اسٹڈیز باقی ہیں۔"

"میں ممی کے چہرے پر جو خوشی اور رنگ آج دیکھ رہی ہوں۔ وہ اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آیا۔ وہ بہت اکیلی تھیں۔ خالہ سے ملنے کے بعد جیسے جی اٹھی ہیں۔"

"مجھے تو سرے سے یہ ساری اسٹوری ہی سمجھ میں نہیں آئی۔ محض پسند کی شادی پر جوان لوگوں کا حق بھی تھا۔ یوں ان سے سارے تعلق توڑ دینا ویری اسٹرینج۔" وہ کندھے اچکا کر تحیر بھرے لہجے میں بولی تھی۔ میں ہنس دی۔

"یہ پاکستان ہے اور اس معاشرے میں یہی کچھ ہوتا ہے۔"

"لیکن پسند کی شادی سے تو ہمارا مذہب بھی منع نہیں کرتا۔"

"ہمارا معاشرہ تو کرتا ہے نا اور ہم پر ہمارے مذہب سے زیادہ ہماری سوسائٹی کا پریشر ہے۔" میں نے اک سرسری نگاہ سامنے سے آتے سائیکل سواروں پر ڈالی۔ وہ بچی سائیکل دوڑاتی آگے نکل گئی تھی اور اس نوجوان کی رفتار سست ہو گئی۔ میں نے اس کی نظروں کی تپش کو محسوس تو کیا۔ مگر یہ کوئی ایسی بات نہ تھی۔ یہاں آتے جاتے ایسی بہت سی نظریں ہم پر اٹھتی ہیں۔ جنہیں ناگواری کے ساتھ برداشت کر کے نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ وہ لوگ ہمارے پیچھے نکل گئے۔

"تم اپنے ددھیال والوں سے کبھی نہیں ملیں۔" فائقہ نے پوچھا۔

"میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا اور مجھے اس بات کی کچھ پروا بھی نہیں۔ جنہوں نے اپنے بیٹے کو چھوڑ کر دیا۔ ان کے نزدیک میری یا ممی کی کیا حیثیت۔" میرے لہجے میں بے زاری در آئی۔

"اور انکل، وہ بھی ان سے کبھی نہیں ملے۔"

"تو! پاپا مجھ سے اور ممی سے بہت محبت کرتے ہیں، ہماری محبت میں تو وہ انہیں بھول ہی گئے۔" میرے لہجے میں فخر سا در آیا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ پاپا نے میرے سامنے کبھی بھی اپنے گھر والوں کا ذکر تک نہیں

کیا تھا۔ وہ تو ہمیشہ کہتے۔ "میری دنیا بس تم لوگ ہو۔" مجھے کیا معلوم تھا۔ وہ ہم سے زیادہ خود کو یقین دلاتے تھے۔ ہماری محبت میں کھو کر ان محبتوں کو بھول جانے کی یہ دانستہ و شعوری کوشش تھی جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئے۔

"ہائے۔" "تو خیر" پرجوش آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ وہ سائیکل والی بچی تھی۔ بچپن کو خدا حافظ کہہ کر لڑکپن کی سرحدوں کو چھوتی۔ اس خوب صورت چھوٹی سی لڑکی کو ہم نے بے اختیار ہاتھ ہلایا تھا۔

پھر اگلے اور اس سے بھی اگلے دن ___ فائقہ نے مجھے ٹھوکا دیا۔

"یہ تو جوان عنقریب تمہیں کلائی کی آفر دے گا۔"

وہ ہمارے عقب میں نکل گیا تھا۔ میں نے فائقہ کو گھور کر دیکھا۔

"یہ نیویارک نہیں ہے۔"

"اچھا۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ "کراچی کی اکثر جگہوں اور لوگوں کو دیکھ کر مجھے نیویارک کا ہی شبہ ہوتا ہے۔"

"مانا تمہاری بات کسی حد تک سچ ہے۔ مگر میں بھی ان ہی لوگوں میں سے ہوں جو اپنے گھر اور لوگوں کی برائی دوسروں کے منہ سے نہیں سن سکتے۔"

"دوسرا کسے کہا ہے۔" فائقہ نے مجھے پیٹ ڈالا۔

پھر ارم کی شادی ہو گئی۔ خالہ اور فائقہ واپس چلی گئیں۔ ممی پھر سے اداس ہو گئیں۔ ہم لوگ اپنے فلیٹ میں واپس آ گئے تھے۔ میں گریجویشن کے بعد بالکل فارغ تھی۔ سو سارا دن ممی کا دل بہلانے کی کوشش کرتی رہتی۔

"ممی! ارم کی شادی کی تصویریں دیکھتے دیکھتے میں نے ایک دم انہیں پکارا۔

"ہوں۔" ممی نجانے کس تصور میں مگن تھیں۔

"پاپا ابھی تک نہیں آئے۔" میری نگاہیں وال کلاک سے ٹکرا کر واپس لوٹیں۔ شام کے سات بج رہے تھے اور پاپا ہمیشہ پانچ بجے گھر پر موجود ہوتے تھے۔

"ہاں' آج تو واقعی لیٹ ہو گئے ہیں۔"

"آج نہیں ممی! ہم جب سے لوٹے ہیں' پاپا اکثر لیٹ آنے لگے ہیں۔"

"السلام علیکم' کیسی ہو لائبہ گڑیا۔" پاپا کی آواز اور ان کے مخصوص جملے پر میں چونک کر اٹھی۔

"کاش! آپ آج کچھ لیٹ ہو گئے پاپا۔"

"سوری۔ کچھ کام پڑ گیا تھا۔" انہوں نے بریف کیس ممی کو تھمایا۔

"چائے بناؤں پاپا۔" میں نے تصویریں سمیٹیں۔

"نہیں' چائے میں نے پی لی تھی' یہ کیا ہے؟" انہوں نے بیڈ پر نیم دراز ہو کر میرے ہاتھ سے تصویریں لے لیں۔

"ارم کی شادی کی تصویریں ہیں۔" میں پاپا کے پاس بیٹھ کر انہیں ہر تصویر کا بیک گراؤنڈ بتانے لگی۔ ممی کچن میں چلی گئی تھیں۔ کھانے کے وقت تک ہم لوگ باتیں کرتے اور ٹی وی دیکھتے رہے۔ پاپا کا معمول حسب موڈ بہت خوشگوار تھا۔ وہ مجھ سے باتیں کرتے کرتے آواز دے کر ممی کو کسی نہ کسی بات پر چھیڑ دیتے۔ کھانے کے بعد ہم لوگ واک کے لیے نکل گئے اور حسب معمول آئس کریم کھا کر ہی لوٹے تھے۔

پھر پاپا نے میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دیا۔ جہاں پروفیسر اور لیس کی کلاس کے بعد وہ فوراً میرے سامنے آیا تھا۔ کچھ لمحے میں اسے پہچان ہی نہ سکی۔ دیکھا بھی کہاں تھا اسے۔ بس اک سرسری نگاہ' مگر ارمغان کا والہانہ انداز قابل دید تھا۔

"آپ یہاں؟" کس قدر اشتیاق اور خوشی تھی اس کے لہجے میں۔ ایک پل کو میں ٹھٹک سی گئی۔ مگر اتنی جلدی کسی کے ساتھ فری ہو جانا میری فطرت نہ تھا۔

"ہم وہاں اکثر چرچ روڈ پر ملا کرتے تھے۔"

ایک دم جھماکا ہوا تو یہ موصوف وہ ہیں۔ مجھے اس کے انداز پر ہنسی آ رہی تھی۔ یاد دہانی یوں کروا رہا تھا جیسے ہم وہاں اکٹھے واک کرتے رہے ہوں۔ یا تو احمق تھا یا پھر ضرورت سے زیادہ ہوشیار سو میں رکھائی سے جواب دے کر چلی آئی۔ بعد میں جب میں نے ارمغان

کو اپنے پہلے تاثر کے بارے میں بتایا۔ تو وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا کہ میں پہلی نظر میں تم سے محبت کر بیٹھا اور تم مجھے احمق' شاطر' عیار اور نجانے کیا کچھ سمجھتی رہیں۔"

"کیا لکھ رہی ہو لائبہ ___؟"

ممی کی آواز پر وہ بری طرح چونکی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کھلے دریچے کے باہر رات بھیگ رہی تھی۔ جس کا آدھا سفر اختتام پذیر ہونے کو تھا۔

"کچھ سوالوں کے جواب باقی تھے ممی!"

"یہ کوئی وقت اور موقع تو نہیں بیٹا۔" انہوں نے بے حد تھکے تھکے انداز میں کہا۔ لائبہ نے سر اٹھا کر اپنے قریب کھڑی عورت کو دیکھا' جسے اک عمر کے بعد اپنے سفر کے رائیگاں جانے کا احساس ہوا تھا۔

"یہی تو وقت ہے ممی! پھر کون جانے' کون کہاں ہو گا۔ مجھے اس کہانی کا اختتام تو کرنے دیں۔ سوال ادھورے رہ جائیں تو ریشم کی ڈوری کی طرح ساری کہانی الجھی رہ جاتی ہے۔" وہ بہت آہستگی سے نم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ممی خاموشی سے پلٹ گئیں۔

"میرے پاس وقت بہت کم ہے کہ نئی صبح اک نئی زندگی کا آغاز ہو گی۔ میں نہیں جانتی وہ زندگی کیسی ہو گی۔ آسان' مشکل' یا شاید بہت مشکل اور تب زندگی کتنی سہل لگتی تھی۔ اک مہربان دوست جیسی' مجھے ارمغان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے میں مزا آتا اس کی شرارتیں' اس کے جملے' اس کی کوشش اور جھنجلایا ہوا انداز میں بہت انجوائے کرتی۔ لیکن یوں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ بس وہ سب ہونے کے بعد ہماری صلح ہو گئی۔ اور دوستی نے محبت کا روپ دھار لیا۔ زندگی کتنی مصروف مگر خوب صورت ہو گئی تھی۔ صبح یونیورسٹی' پھر جواں ادب کا آفس۔ ہم دونوں لڑتے جھگڑتے' بہت بحث بھی کرتے۔ مگر محبت بہت احتیاط کے ساتھ چھپا کر رکھی تھی۔ سب لوگ سمجھتے کہ ہم میں صرف دوستی ہے۔ بہت گہری دوستی' کبھی کبھی ہم سب سے نظر بچا کر سمندر کی طرف نکل جاتے۔ وہ مجھ سے دادا' دادی جان اور بہن کی باتیں کرتا۔ میں اسے ممی اور پاپا کے بارے میں بتاتی۔ اپنی مصروفیات میں میری توجہ ممی کی طرف سے کافی کم ہو گئی تھی۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی کب اور کہاں تبدیلی آئی۔ بس ممی ایک دم خاموش سی ہو گئی تھیں اور جب مجھے محسوس ہوا تو میں نے بے اختیار پوچھا۔

"ممی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

وہ الگ کاٹ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر مسکرائیں۔

"طبیعت ٹھیک نہ ہوتی تو کیا میں کچن میں کام کر رہی ہوتی۔"

"نہیں' آپ کچھ چپ چپ سی لگتی ہیں۔"

"یونہی سارا دن کام کاج میں لگی رہتی ہوں تو تھکن سی ہو جاتی ہے اور تمہیں بھی تو میری ذرا پروا نہیں ہے کہ تھوڑا سا ہاتھ ہی بٹا دو۔"

صاف لگتا تھا وہ مجھے ٹال رہی ہیں۔ میں نے بے حد حیرت سے انہیں دیکھا۔ آج سے قبل تو ممی ہمیشہ یہی کہا کرتی تھیں کہ یہاں کل تین نفوس کا کام ہی کتنا ہے اور اب ایسی کیا بات ہے جو ان کے وجود و لہجہ میں تھکن بن کر اتر آئی اور شاید میری کھوجتی نگاہوں سے خائف ہو کر انہوں نے مجھے ٹوکا تھا۔

"چائے کا پانی اتنا نہیں ابالتے۔"

"ممی! پاپا کہاں مصروف ہوتے ہیں آج کل؟" میں نے چائے کی پتی پانی میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" وہ فریج سے گوشت کا پیکٹ نکالنے لگیں۔

"پتا نہیں۔" میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ پھر ہنس دی۔ "ممی! پاپا پانچ منٹ بھی لیٹ ہو جائیں۔ تو آپ کو فون کر دیتے ہیں۔"

"اب نہیں کرتے ___" ممی کے سپاٹ لہجے نے میری ہنسی کو بریک لگا دی۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں اور یہ بال کی کھال اتارنا تم نے کہاں سے سیکھا ہے۔"

انہوں نے جھنجلا کر مجھے ڈانٹا تو میں بہت کچھ پوچھنے کی خواہش دبا کر چائے بنا کر کمرے میں آ گئی۔

میں اسی وقت ممی کو ارمغان کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی۔ مگران کا موڈ دیکھ کر ارادہ بدل دیا اور اپنے کمرے میں آکر پھر سے سوچنے لگی۔ کچھ تھا جو میرے لاشعور سے شعور پر دستک دیتا تھا۔ اک نامعلوم سا احساس، کوئی چھوٹی سی تبدیلی جیسے آپ دیوار پر لگی پینٹنگ ہٹا دیں۔ یا کارنس پر دھرا ہوا سا گلدان کہیں منتقل کرنے کے بعد کمرے میں داخل ہوں تو اچانک غیر محسوس سی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ ایک ثانیے کو سہی اس جگہ کو دیکھتے ضرور ہیں۔

مگر پینٹنگ بھی اپنی جگہ پر تھی اور گلدان بھی۔ اس کے باوجود مجھے کسی کمی کہیں خالی پن کا احساس ہونے لگا تھا۔ میں نے بیزاری سے سامنے دھری کتابوں کو دیکھا۔ مجھے نوٹس بنانے تھے اور معاشرے میں بڑھتے ہوئے تشدد کے واقعات پر جواں ادب کے لیے ایک مضمون بھی لکھنا تھا جس کے بارے میں ارمغان نے مجھے ٹھیک ٹھاک اعداد و شمار اکٹھے کر دیے تھے۔ بس ایک ماہر نفسیات مسز فضہ رحمان سے ملنا باقی تھا اور یہ کام ظاہر ہے کہ مجھے ہی کرنا تھا۔ مگر میرا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ میں بہت دیر تک یونہی بیٹھی رہی۔ مجھے پاپا کا انتظار تھا۔ پاپا آئے مگر کہیں کوئی ہلچل نہ ہوئی۔ نہ ہی ممی نے ان سے دیر سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ چند آوازوں کے بعد اک گہری خاموشی پورے گھر پر چھا گئی تھی اور میرے لیے یہ خاموشی کتنی اجنبی اور نامانوس سی تھی۔ پاپا کے گھر آتے ہی گویا پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگتی تھیں۔ میں گھبرا کر باہر نکل آئی۔ پاپا سامنے ہی کاؤچ پر بیٹھے اپنی کنپٹی مسل رہے تھے۔

"پاپا! آپ ٹھیک تو ہیں؟" میں گھبرا کر ان کے قریب بیٹھی۔

"ہاں۔" انہوں نے چونک کر ہاتھ ہٹایا۔ پھر مجھے دیکھ کر مسکرا دیے۔ "کیسی ہو لائبہ جانو!"

"میں تو ٹھیک ہوں مگر آپ ـــــ" میں نے تشویش سے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔" انہوں نے دھیرے سے

میرے گال تھپتھپائے اور بیڈ روم میں چلے گئے اور نہیں کیوں مجھے ان کے انداز میں مخصوص بے ساختگی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس سے قبل کہ میں اس بارے میں کچھ اور سوچتی ارمغان کا فون آگیا۔

"سنو! فوراً تیار ہو جاؤ۔ میں آرہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے تمہارے لیے ڈاکٹر فضہ رحمان سے ٹائم لیا ہے۔ ہمیں اسی وقت ان کے گھر جانا ہے۔"

"تھینک یو ارمغان! میں سوچ ہی رہی تھی کہ ــــ"

"اپنا شکریہ اپنے پاس رکھو۔" وہ جل کر بولا۔ "بس دس منٹ ہیں تمہارے پاس۔" اور میں نے اسے بنا خدا حافظ کہے ریسیور رکھا تھا۔

"ممی! میں ڈاکٹر فضہ رحمان سے ملنے جا رہی ہوں۔ ارمغان مجھے پک کر لے گا۔" میں نے کچن کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر انہیں اطلاع دی۔

"ارمغان کون ـــــ؟" انہوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"میرا کلاس فیلو ہے۔" میں نے بتایا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں تیار ہو کر نیچے آئی تو ارمغان کی گاڑی پارکنگ میں کھڑی تھی۔

"میرا خیال تھا' مجھے تمہارا انتظار کرنا پڑے گا۔" میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"تم میرے بارے میں زیادہ خیال مت کیا کرو۔ میں گزشتہ دس منٹ سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اس نے گاڑی نکالتے ہوئے بتایا تب ہی میری نگاہ بالی کی اور پڑی تو میں اچھل گئی۔

"تم نے یہاں سے فون کیا تھا۔"

اس نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو تم اوپر کیوں نہیں آئے۔ میں تمہیں ممی اور پاپا سے ملواتی۔" مجھے افسوس ہونے لگا۔ ارمغان نے بہت اچھا موقع مس کیا تھا۔

"کیا کہہ کر ملواتیں ـــــ؟"

"تم کیا کہلوانا پسند کرتے ہو؟" میں نے برجستہ

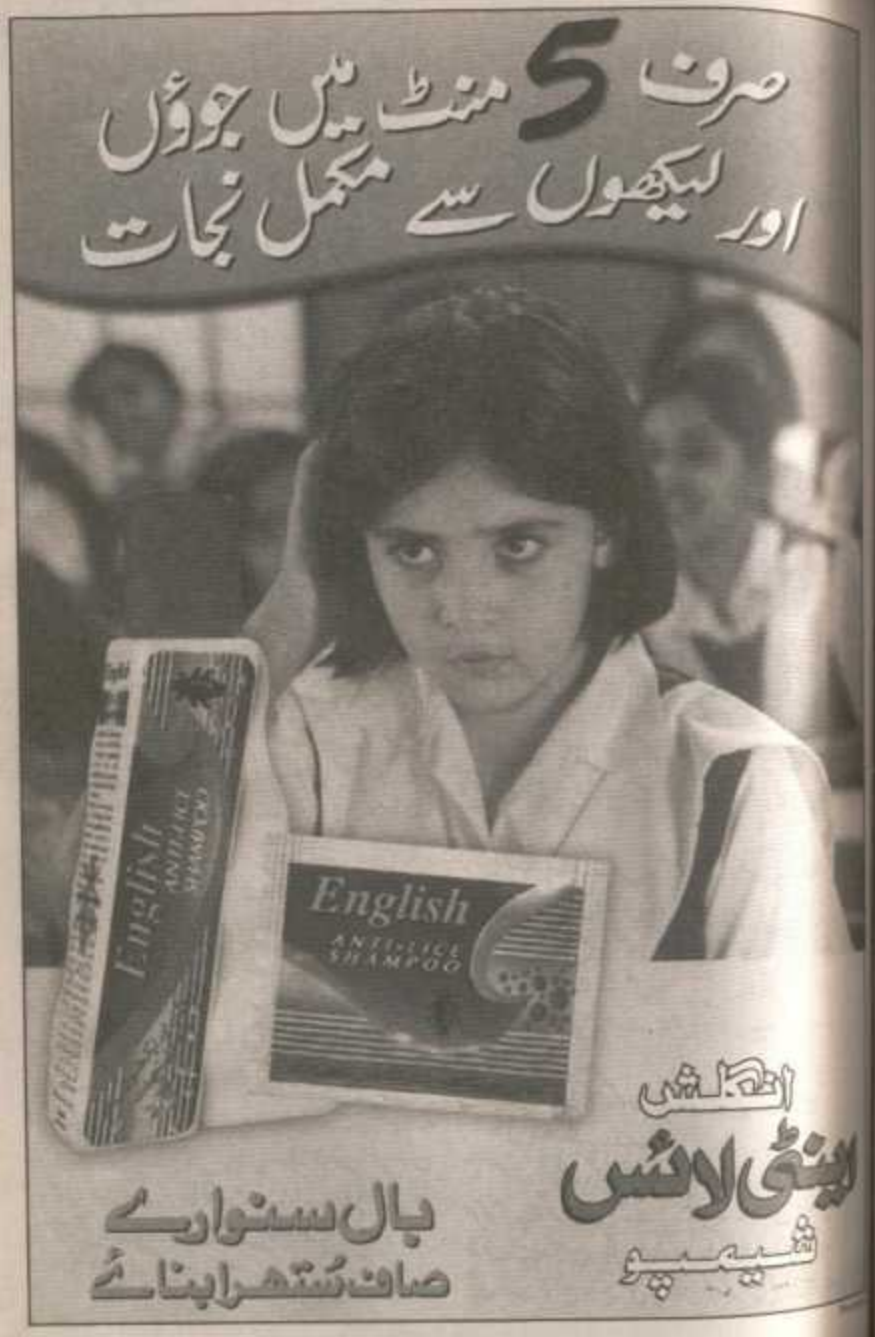

پوچھا۔

"ہو میں کھلوانا پسند کروں گا۔ اس کے لیے مجھ سے زیادہ میرے دادا جان کو تمہارے پاپا سے ملنا چاہیے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے' پاپا تمہیں بنا دیکھے پاس کر دیں گے۔" میں نے چڑایا۔

"ہم چیز ہی ایسی ہیں۔" اس نے کالر کھڑا کیا۔

"ہونہہ خوش فہم۔" یونہی ہلکی پھلکی باتوں میں کلینک آگیا۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو ہم ساحل پر آ گئے اور ہم یہاں اکثر آیا کرتے تھے۔ وہ ساتھ ہوتا تو میں سب کچھ بھول جاتی۔ بس یہی جی چاہتا۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیے دور بہت دور نکل جاؤں۔ ہم چپ چاپ ننگے پاؤں چلتے جاتے۔ چلتے جاتے اور ہمارے قدموں تلے گیلی ریت لمحوں کی طرح پھسلتی جاتی اور تب ہی وہ اچانک خوفزدہ ہو کر پوچھنے لگتا۔

"لائبہ ساتھ تو نہ چھوڑ جاؤ گی۔۔۔؟"

اور میں حیرت زدہ سی اس سے پوچھتی۔

"یہ محبت میں بے یقینی کیسی؟"

"کل میں نے اک نظم پڑھی تھی۔ نوشی گیلانی کی۔

وصال رت کی یہ پہلی دستک ہی سرزنش ہے
کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر دیا ہے

"یہ صرف وا ہے ہیں۔" وہ نظم میں نے پوری نہیں ہونے دی ارمغان نے کبھی دعوے نہیں کیے تھے۔ مگر اس شام وہ بار بار اپنی محبت کا یقین دلاتا تھا۔ جینے مرنے کی قسمیں کھاتا تھا۔ مجھے وہ بہت خوش مگر کچھ خوفزدہ سا لگا اور اسی شام واپس لوٹتے ہوئے میں نے ایک گاڑی کو رکتے دیکھا اور اس میں سے نکلتے لوگ۔

وہ پاپا تھے' دو میری ہم عمر لڑکیاں اور تین چھوٹے لڑکے اور ایک چالیس پچاس سالہ خاتون' ارمغان گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میں نے اسے روکا نہیں مگر آکر ممی سے پاپا کے بارے میں پوچھا۔

"کہیں باہر گئے ہیں۔"

"پتا بھی نہیں۔"

"نہیں اور تمہیں کیوں اتنی تشویش ہو رہی ہے؟" انہوں نے الٹا مجھ سے پوچھا تو میں خاموش ہو گئی۔ کون ہو سکتے تھے وہ۔ پاپا کے کسی دوست کی فیملی اس صورت میں ان کے دوست کو ساتھ تو ہونا چاہیے تھا۔

میں پاپا سے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ وہ خاموش ہو کر ممی کو دیکھنے لگے۔

"تمہارے تایا کی فیملی تھی۔"

"تایا کی فیملی۔" میں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ پھر پاپا کی طرف پلٹی۔

"پاپا! آپ ان سے ملتے ہیں؟۔"

"کیا نہیں ملنا چاہیے۔" وہ الٹا مجھ ہی سے پوچھنے لگے۔ تو میں سٹپٹا گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ مگر آپ نے چھپایا کیوں؟"

"میں نے نہیں۔ تمہاری ممی نے چھپایا ہو گا۔ کیونکہ شاید رابعہ یہ نہیں چاہتیں کہ میں یا تم ان لوگوں سے ملیں۔"

اف اتنا سنگدل اور کٹھور لہجہ تھا پاپا کا۔ ممی کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا۔ پاپا چلے گئے تھے۔ میں حیرت زدہ تھی۔

"ممی! ایک منٹ ایزی۔" میں نے دھیرے سے ان کا ہاتھ دبا کر تسلی دینا چاہی۔

"میں نے تو ایسا کبھی نہیں چاہا لائبہ!" کتنی بے چارگی تھی ان کے لہجے میں۔

"آئی نو ممی! پاپا کب سے ان لوگوں سے مل رہے ہیں۔؟"

"جب سے ان کے رویے میں تبدیلی آئی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔۔۔؟"

"لائبہ؟ مجھے کبھی اس بات پر اعتراض نہیں رہا کہ مراد اپنے گھر والوں سے نہ ملیں۔ ناراضی ہماری طرف سے نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کی طرف سے تھی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی تھی یہ جان کر کہ ان لوگوں نے

ہمیں معاف کر دیا۔ لیکن اب احساس ہوتا ہے انہوں نے صرف اپنے بیٹے کو معاف کیا ہے' مجھے نہیں۔" وہ بے حد دل گرفتگی سے کہہ رہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم ان سے جا کر ملیں گے۔ تو پاپا کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی کہ آپ نہیں چاہتیں۔"

"تم نے مراد کا رویہ دیکھا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ صرف مجھے قصوروار سمجھ رہے ہوں۔"

"ڈونٹ وری ممی! ایوری تھنگ ول بی آل رائٹ۔" مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو رہی تھی۔ مگر وہاں جا کر مزید کوفت ہوئی' ارمغان آج آیا ہی نہ تھا۔ سو میں جلد ہی واپس آگئی تھی اور وہ مزید دو دن نہ آیا تو میں پریشان ہو گئی اور اس سے قبل کہ اس سے خفا بھی ہو جاتی اس کا فون آگیا تھا۔ ہنی کے والد کا سن کر مجھے واقعی بہت افسوس ہوا تھا۔ میری ارمغان سے مختصر سی بات ہوئی تھی اور اگلے دن پاپا نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"لائبہ! تایا سے ملنے چلو گی؟"

میں نے ممی کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"صرف میں نہیں ممی بھی جائیں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا تو پاپا نے بے یقینی سے ممی کو دیکھا۔

"رئیلی۔۔۔؟"

"اب تو آپ کو مجھ پر اعتبار ہی نہیں رہا مراد۔" ممی نے افسردگی سے کہا تھا۔ وہ جانے کو تیار تو تھیں مگر اس دن انہیں بخار آگیا۔ میں انہیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی مگر انہوں نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔

"تمہارے پاپا نے ان لوگوں کو بتا دیا ہو گا اچھا نہیں لگے گا۔"

وہ اک بہت کھلا اور پرانی طرز کا گھر تھا۔ پاپا بے حد ایکسائیٹڈ تھے۔ مجھے اپنے بچپن کی ہر بات بتا رہے تھے۔ کہاں انہوں نے سائیکل چلانا سیکھی' کہاں وہ گرے تھے۔ اپنے بابا سے ڈانٹ کھا کر وہ کون سے درخت پر چھپا کرتے تھے۔ اس لان میں انہوں نے پھوپھو کے ساتھ کئی بیٹ منٹن کے میچ کھیلے تھے

اور انہیں ہمیشہ ہرایا تھا۔ میں حیرت زدہ سی سنتی رہی۔ پاپا کو تو کچھ بھی نہ بھولا تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک کی ہر بات انہیں پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھی۔ وہ مجھے سیدھا اپنی امی یعنی میری دادی کے کمرے میں لے گئے۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں پاپا کو دیکھ کر جو چمک ابھری تھی' اس کے سامنے ہزاروں ستاروں کی روشنی ماند تھی۔ میں مبہوت ہی رہ گئی۔ ان کی باہیں پھیلیں اور پاپا کا لمبا چوڑا وجود ننھے بچے کی طرح خفیف بازوؤں میں سما گیا۔

دیکھیں اماں لائبہ آئی ہے۔" پاپا نے کہا تو انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"ماشاء اللہ' کتنی بڑی ہو گئی ہے۔" انہوں نے پاس بلا کر مجھے پیار کیا۔ لیکن اس پیار میں وہ بے ساختگی نہیں تھی جو پاپا کے لیے تھی۔ ذرا سی دیر میں تایا جان اور ان کی فیملی آگئے۔

تایا جان تو بالکل پاپا کی دوسری کاپی تھے۔ تائی مجھے کچھ مغرور سی لگیں۔ انہوں نے مجھے سرتاپا دیکھا۔

"اچھا تو یہ ہے لائبہ' اکلوتی اولاد اور وہ بھی بیٹی چہ ۔۔۔چہ۔۔۔"

مجھے ان کا تبصرہ انتہائی فضول لگا تھا۔ میں نے پاپا کو دیکھا۔ وہ تایا جان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے شاید سنا ہی نہیں۔

"خیر سے میرے دو بیٹے ہیں۔ اس وقت ٹیوشن پڑھنے گئے ہیں۔۔۔" پتا نہیں وہ کیا جتانا چاہ رہی تھیں تب ہی جامنی سوٹ میں ملبوس اک نازک سی لڑکی نے آگے بڑھ کر انہیں ٹوکا۔

"ممی! پلیز۔" پھر مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ "میں ماہا ہوں اور یہ ماہ نور ہم دونوں تمہاری کزنز ہیں۔" وہ بہت پیاری ہنس مکھ سی لڑکیاں تھیں۔

"تمہارے بیوی نہیں آئی مراد۔" دادی جان نے پوچھا تھا۔

"اس کی طبیعت کچھ خراب تھی۔" پاپا نے بتایا تو تائی جان طنزاً مسکرائیں۔

"اس کی طبیعت تو اب خراب ہو گی ہی۔ اس کی

ساری کوششوں پر پانی جو پھر گیا۔" ان کا تبصرہ خاصا سنگ دلانہ تھا۔ مجھے برا لگا تو بول اٹھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تائی جان! امی تو خود آنا چاہ رہی تھیں۔ مگر انہیں بخار تھا اور چکر بھی آ رہے تھے۔"

"تب سسرال والوں سے نہ ملنے کے بہانے ہیں بیٹا۔" دادی جان کی بات پر مجھے حقیقتاً" دکھ ہوا تھا۔ اگر بابا مجھے وہاں سے نہ لے جاتے تو شاید میں کچھ بول ہی پڑتی۔ تو یہ بھی پاپا کے رویے میں تبدیلی کی وجہ۔ انہیں ممی سے بدظن کیا جا رہا تھا۔ مگر کیوں؟ اتنے عرصے کے بعد وہ لوگ ان دونوں میں دوری پیدا کر کے وہ کون سے بدلے لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سارے قصے میں پاپا کا قصور تو کچھ زیادہ نکلتا تھا۔ اگر ممی نے انہیں بہکایا تو وہ تو اک باشعور اور سمجھدار انسان تھے انہوں نے کیوں نہ اپنے والدین کی مرضی شامل کی۔ مگر مجھے لگا۔ خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش میں پاپا بھی سارا الزام ممی پر رکھنے میں مصروف ہیں اور میرے لیے ان کا یہ روپ خاصا تکلیف دہ تھا۔ میں آتے ہوئے جتنی ایکسائیٹڈ تھی' جاتے ہوئے اتنی ہی افسردہ تھی۔

"کیسے لگے تمہیں سب لوگ؟" پاپا ساری محبتوں کو پا کر بہت سرشار تھے۔

"اچھے ہیں۔" میں نے آہستگی سے کہا اور یہ پہلی بار تھا کہ انہوں نے میرے لہجے پر غور نہیں کیا اور مطمئن ہو گئے۔ مگر میں ممی سے کچھ نہ چھپا پائی تھی۔ سب کچھ بتا دیا۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا۔ تمہارے پاپا کا رویہ' اس بات کا ثبوت تھا۔" وہ کتنی دکھی ہو گئی تھیں۔ پاپا تو جیسے ہمیں بھولنے ہی لگے تھے۔ اکثر ہی رات کو دیر سے گھر آتے' کھانا بھی وہیں کھاتے۔ نجانے کیوں وہ بیلنس نہیں رکھ پائے نہ تب اور نہ اب۔

یہ مسئلے اپنی جگہ تھے اور یونیورسٹی کی اپنی زندگی۔ اگلے دن ارمغان آیا تو میں نے اس سے بے تابی سے پوچھا۔

"ہنی کیسی ہے۔؟"

"کیسی ہو سکتی ہے۔" وہ کچھ سنجیدہ نظر آیا۔

"ہاں حادثہ بھی تو اتنا بڑا ہے۔"

"ایک دم چپ ہو گئی ہے۔" کتنا فکرمند تھا وہ اس کے لیے گویا اس کا بس نہ چلتا ہو کہ کہاں سے ایسی کوئی خوشی ڈھونڈ لائے جو ہنی کے لبوں پر ہنسی کھلا دے۔

"تم اس کا خیال رکھا کرو۔" مجھے کیا معلوم تھا۔ اسے یہ ڈیوٹی مستقل طور پر سونپ دی جائے گی۔

"کوشش تو بہت کرتا ہوں۔ مگر ابھی نیا نیا صدمہ ہے۔"

"کسی دن اسے لے کر ہمارے گھر آؤ نا۔"

"تمہارے ہاں۔" وہ چونکا۔

"ہاں' رات کو میں نے ممی کو تمہارے بارے میں بتا دیا تھا۔"

"ہوں۔" وہ نجانے کس سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"تو پھر لاؤ گے۔ شاید وہ اسی طرح بہل جائے۔"

"ہاں دیکھوں گا۔"

مگر اسی رات گھر میں جھگڑا ہو گیا تھا' ممی اور پاپا کا پہلا جھگڑا۔ جس نے میری زندگی اور سوچوں کا رخ بدل دیا۔ شادی کے پچیس برس کے بعد انہیں احساس ہوا کہ یہ شادی ان کی جذباتی غلطی تھی۔ وہ ایک "محبت" خاموش' غم زدہ' پژمردہ ایک کونے میں پڑی اپنی حرماں نصیبی پر بین کرتی رہی اور وہ ڈھیروں محبتیں "اس پر عتاب آ گئیں۔

اف پاپا کی وہ آواز اور ممی کا سپید پڑتا چہرہ۔

"اگر تمہیں محبت ہوتی شملا مراد تو تم مجھے بھی میرے والدین سے الگ نہ کرتیں۔"

جو ساری کشتیاں جلا کر نکلیں تو ان کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے؟

کیا ہاتھ آیا اک عمر کی سیاہی کے بعد۔

اک الزام' بس اک شک۔

محبت تو کل بھی فاتح تھی اور آج بھی فاتح ہی رہی۔

تو پھر ہارا کون؟

اور پھر تقدیر نے دوسرا وار کیا۔

کھلتے پھولوں کی آہٹوں کو ساعتوں میں پروتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"ہم وہاں ملیں گے جہاں کوئی نہ ہو اور جہاں سورج اپنے آخری قدم دھرتا ہے۔"

محبت پھر امتحان میں تھی۔

مجھے اپنی محبت کو بچانا تھا اور میں محبتوں کو ہارتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتی تھی تو تمہارے گرد دعاؤں کا حصار باندھتی گئی۔

میں نے اپنی آنکھوں پر شام کی لالی باندھ لی۔
میں شام کا کنارہ نہیں۔
تم سورج کی لالی نہیں۔
ہم ان دونوں کے بیچ حد فاصل ہے۔
اس فصیل کائنات کو عبور کر تو لیتی لیکن۔۔۔
اس کے عقب میں سورج طلوع نہ ہوتا تو؟
اک خوف سا من میں ڈولتا تھا کہ اعتبار کی ڈوری ہاتھوں سے پھسل رہی تھی
یہ خوف میری آخری حد تھا کہ اس کے بعد مرگ صفت سناٹا اس کائنات کی گود میں سکتا ہے۔

(اس کے عنابی لبوں کی مخفی مسکراہٹ میں طنز کا زہر کیوں اترا تھا۔)

اے ابن آدم! حوا کی بیٹی کا دکھ جان سکو تو کیونکر۔
وہ محبتوں سے گندھی مورت ہے اور تم اسے محبت کرنا سکھاؤ گے؟

یہی وہ مقام ہے جہاں طنز اس کے ہونٹوں سے اتر کر میرے ہونٹوں پر جم جاتا ہے۔)

"محبت۔۔۔؟"

ازل سے اس دل کا انتساب ہے
اور تم اس کے معنی پوچھتے ہو۔
تم نے محبت کو دو رو میں دیکھا۔
میں نے روح کو بالشتوں میں ناپا ہے
اور تم کہتے ہو میں تمہیں وہاں ملوں جہاں سورج کے آخری قدم ہیں۔؟
آخری قدم کے بعد جانتے ہو کیا ہے؟
شام کا کنارہ
رات کی تاریکی
محبت کا مفہوم تم کیا جانو
یہ طلوع ہے غروب نہیں
ہاں یہ مضبوطی ہے کمزوری نہیں
مگر مجھے کسی ایک نہیں ان ساری محبتوں کی مضبوطی درکار ہے۔ جو تمہارے گرد دعاؤں کا حصار باندھتی ہیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

دروازہ لائبہ کی ممی نے کھولا تھا۔ اسے دیکھ کر چونک گئیں۔

"تم۔۔۔!" ارمغان نے اضطراری انداز میں دروازے پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے لائبہ سے کچھ بات کرنی ہے۔ بس اپنے ایک سوال کا جواب اس پر قرض ہے میرا۔"

"اندر آ جاؤ۔" انہوں نے راستہ دیا۔ وہ ان کے پیچھے اندر چلا آیا۔ سارا فلیٹ بے ترتیبی کا شکار تھا۔ سارا سامان الٹ پلٹ تھا۔

"آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔؟"

"میں جا رہی ہوں۔" انہوں نے رسانیت سے بتایا تو وہ چونک گیا۔

"کہاں۔۔۔؟"

"اپنے شوہر کے پاس' انہوں نے بلایا ہے مجھے۔"

"لائبہ۔۔۔؟" ارمغان نے پوچھنا چاہا وہ اس کی بات کاٹ کر پوچھنے لگیں۔

"چائے بناؤں تمہارے لیے۔"

"نہیں۔۔۔ ہنی گاڑی میں میرا انتظار کر رہی ہے۔" اس نے منع کیا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر آہستگی سے بولیں۔

"میں لائبہ کو بھیجتی ہوں۔"

وہ چلی گئیں تو ارمغان ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اسے یہاں نہیں آنا تھا۔ آج ہنی کا آخری پیپر تھا۔ وہ اسے پک کر کے واپس لوٹا تو بلا ارادہ ہی گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا تھا۔

"مجھے معلوم تھا' تم آج آؤ گے۔" اس کی پشت

سے آواز ابھری۔ ارمغان کھڑا ہو کر پلٹا۔ سفید نیٹ کے ڈریس میں سارے بالوں کو سمیٹے وہ مبہم سا مسکرا رہی تھی۔

"بیٹھو۔"

"مجھے بیٹھنا نہیں ہے لائبہ!" اس کے لہجے کی سنجیدگی پر لائبہ خاموش سی ہو گئی۔ پھر اس کے قریب سے نکل کر سامنے والی کرسی پر آ بیٹھی۔ اس کے ہاتھوں میں سفید جلد والی ڈائری تھی۔

"ہنی کیسی ہے؟"

"اچھی ہے ۔۔۔؟"

"ہاں' وہ تو ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ ارمغان منتظر سا اسے دیکھتا رہا۔ لائبہ کی ممی نے ایک بیگ لا کر صوفے کے قریب رکھا۔

"میں' ممی' وسیم سے شادی کر رہی ہوں۔" لائبہ نے بیگ پر نظریں جماتے ہوئے آہستگی سے بتایا۔ ارمغان کے اندر سناٹے سے اتر آئے۔

"ہاں' تم میرے علاوہ کسی سے بھی شادی کر سکتی ہو۔" اس کے لہجے میں دبا دبا غصہ' پچھتاوا اور دکھ مترشح تھا۔ لائبہ نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر اسے دیکھا۔ سو وہ کھڑا ہو گیا۔

"چلتا ہوں۔"

"اپنے کسی سوال کا جواب نہیں لو گے۔"

"ہر سوال کا جواب تو مل گیا۔" وہ زہر خند لہجے میں گویا ہوا۔

"کسی سوال کا جواب نہیں ملا ارمغان! جلد بازی مت کیا کرو۔" وہ چند قدم چل کر اس کے سامنے آ گئی۔ کچھ لمحے اس کی بے تاب نگاہیں ارمغان کے چہرے پر بھٹکتی رہیں اور وہ ان نم آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ کتنے خوب صورت لمحے' کتنی محبتیں' کتنی چاہتیں اور بے تابیاں ان نگاہوں میں پنہاں تھیں۔

"ایسا کیوں کیا تم نے۔" وہ کتنا بے تاب ہو کر مگر ہارے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ لائبہ کا دل چاہا ایک بار تو اس کے شانے پر سر رکھ کر سارے آنسو بہا دے۔ اس سے قبل کہ نوک مژگاں پر مچلتا قطرہ آب اس کے سارے ضبط توڑ دیتا۔ اس نے آہستگی سے چہرہ جھکا دیا۔

کچھ آنسو بہت سنبھال کر رکھنے پڑتے ہیں۔ اس نے بھی پلکیں جھپک کر اس آنسو کو دل کے کسی کونے میں گرا دیا۔ آواز بہت زور سے آئی تھی۔ قیامت کا شور ہوا۔ پھر چار سو ہو کا عالم تھا۔

"یہ ڈائری ۔۔۔" اس نے سیاہ جلد والی ڈائری اس کی سمت بڑھائی۔ "پڑھ لینا' سارے جواب مل جائیں گے۔" اس کے حلق میں پھندا سا پڑا۔ "پھر بھی سب جرم میرے نکلے تو معاف کر دینے کا حوصلہ پیدا کر کر مجھے بددعاؤں سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

ارمغان تنویمی کیفیت میں ڈائری پکڑ لی۔

"جاؤ ہنی انتظار کر رہی ہو گی۔" وہ رخ بدل گئی۔

"لائبہ ۔۔۔!"

"کچھ نہ کہو تو بہتر ہے۔" لائبہ کے ایک ہی جملے نے اس کے سارے الفاظ منجمد کر دیے۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس لوٹا۔ لائبہ کی آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں نے اسے ساکت سا کر دیا تھا جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

"ہاں ارمغان! انہیں کسی اور کو سونپ دینا اتنا بھی آسان نہ تھا۔"

ہنی اس کا انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی۔ اس نے احتیاط سے دروازہ کھولا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہی۔ مگر رہا نہ گیا تو ڈائری کھول لی۔

"پہلا صفحہ' دوسرا' تیسرا' یکے بعد دیگرے وہ صفحے پر صفحہ پلٹتا چلا گیا۔ ہر چیز ساکن تھی۔ بس لفظ بول رہے تھے۔ تصویریں بنا رہے تھے۔ منظر دکھاتے تھے اور وہ سارے منظر جواب تھے۔ اس کے اندر اڑتی بدگمانیوں کی گرد بیٹھنے لگی۔

پھر اس کی نگاہ آخری صفحے پر جم گئی۔

اور لائبہ مراد نے بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ یہ نظم اپنے ہاتھوں مکمل کرے گی۔

وصال رت کی یہ پہلی دستک ہی سرزنش ہے
کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر دیا ہے

تمہارے ہاتھوں کا لمس جب بھی میری وفا کی
ہتھیلیوں پر حنا بنے گا
تو سوچ لوں گی
رفاقتوں کا سنہرا سورج غروب کے امتحان میں ہے
ہمارے ہاتھوں سے گر کبھی تتلیوں کی خوشبو گزر نہ پائے تو یہ نہ کہنا
کہ تتلیوں نے گلاب رستے بدل لیے ہیں
اگر کوئی شام یوں بھی آئے کہ جس میں ہم تم لگیں پرائے
تو جان لینا
کہ شام بے بس تھی شب کی تاریکیوں کے ہاتھوں
تمہاری خواہش کی مٹھیاں بے دھیانیوں میں بھی کھلیں تو یقین کرنا
کہ میری چاہت کے جگنوؤں نے
تمہارے ہاتھوں کے لمس تازہ کی خواہشوں میں
بڑے گھنیرے اندھیرے کاٹے
مگر یہ خدشے یہ وسوسے تو تکلفاً ہیں
جو بے ارادہ سفر پہ نکلیں
تو یہ تو ہوتا ہے' یہ تو ہو گا
ہم اپنے جذبوں کو منجمد رائیگانیوں کے سپرد کر کے
یہ سوچ لیں گے
کہ ہجر موسم تو وصل کی پہلی شام سے ہی
سفر کا آغاز کر چکا تھا۔

"یہ سچ کہ ہم نے گلاب رستے بدل لیے ہیں۔ مگر کانٹوں کا سفر یہ بھی نہیں۔ مجھے تم پر اعتماد تھا تمہاری محبت پر بھی یقین تھا۔ مگر ایک اعتبار ان محبتوں پر بھی تھا جو تمہیں پر امید نگاہوں سے تکتی تھیں کہ یہ محبتیں کبھی نہ کبھی تم سے اپنا آپ منوائیں گی۔ تم انہیں اپنے اندر سے کھرچ نہیں سکتے' یہ جب تمہیں پکارتیں تو تم میری محبت کو پچھتاوے کے ترازو میں تولنے لگتے اور تب تمہارا یہ جملہ مجھے مار دیتا۔

"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو مجھے اپنوں سے بھی الگ نہ کرتیں لائبہ مراد۔"

شاید میں تب بھی انکار نہ کرتی۔ مگر وہ جو تمہارے لوگ ہیں۔ میرے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں التجا دیکھی' ان کے ہونٹوں پر مچلتی پکار سنی اور وہ تو ہنی وہ اتنی معصوم ہے کہ اسے دکھ دینے والا کبھی خوش نہ رہتا۔ میں نے انہیں ان کا مان لوٹا دیا ہماری محبت ان سے زیادہ قیمتی تو نہ تھی۔ آج تمہیں میرا فیصلہ عجیب لگے گا۔ مگر ارمغان! یہ محبتیں ہم پر قرض ہوتی ہیں اور یہ قرض لوٹانے ہیں۔ مجھے بھی اور تمہیں بھی۔

کوشش کرنا لائبہ کو بھول جاؤ۔

ارمغان گم صم سا بیٹھا رہا۔ ہنی چونک کر جاگی۔

"کیا ہوا ماماں ۔۔؟"

"کچھ نہیں' گھر چلتے ہیں۔" ارمغان نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ڈائری کے اوراق پھاڑ کر ہواؤں کے سپرد کرتے ہوئے سوچا تھا۔

"میں تمہیں کسی مقدس راز کی طرح دل میں چھپا کر رکھوں گا لائبہ مراد! کبھی بھولوں گا نہیں کہ تم سے میں نے محبت کرنا سیکھا ہے۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق' آفسٹ چھپائی' مضبوط جلد'
قیمت 600 روپے
پتا ذیل سے خریدیں
• مکتبہ عمران ڈائجسٹ' اردو بازار کراچی
• احمد نیوز ایجنسی' فریئر مارکیٹ کراچی
• سلطان نیوز ایجنسی' اخبار مارکیٹ لاہور
• اشرف بک ایجنسی راولپنڈی • مہران نیوز ایجنسی حیدرآباد
بذریعہ ڈاک منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی